ہر ماہر بنکار کی اہم ضرورت

بلا سود بینکاری کا شرعی طریق کار

اعلیحضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

بلاسود بینکاری
کا
شرعی طریقِ کار

از

امام اہلسنت مجدد دین و ملت

مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

مقدمہ

شرف اہل سنت
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری
بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

Marfat.com

الحمد للہ

امام اہلسنت قامع بدعت ناصر ملت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ
جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں صاحب نے جو مکہ معظمہ میں
چار رسالے تصنیف فرمائے ان کا پہلا رسالہ مسمیٰ بنام تاریخی

كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

۱۳۲۴ ھ

مع ترجمہ مسمیٰ بنام تاریخی

نوٹ کے متعلق مسائل

۱۳۲۹ ھ

اس رسالہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے سود چھوٹ جائے۔ اس میں وہ شرعی صورتیں
بتائی ہیں کہ نفع خاطر خواہ بے دقت لو۔ اور سود نہ ہو۔ بڑا بدنصیب ہوگا وہ جو اس کے
بعد بھی سود لینے کا نام لے۔ آخر میں رسالہ مسمیٰ بنام تاریخی

كَاسِرُ السَّفِيهِ الْوَاهِمِ فِي إِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

۱۳۲۹

کا ترجمہ مسمیٰ بنام تاریخی

اس میں مولوی گنگوہی بعد جناب مولوی لکھنوی صاحب **الذَّيْلُ الْمَنُوطُ لِرِسَالَةِ النُّوطِ** (۱۳۲۹) کے فتوں کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

باہتمام سید محمد معصوم شاہ صاحب حنفی قادری نوری عفی عنہ

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور سے چھپ کر شائع ہوا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

2004

قیمت 84 روپے

ناشر : نوری کتب خانہ، لاہور

طابع : موٹروے پرنٹرز، لاہور

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366385

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

Marfat.com

فہرست مضامین

۱۔ تمہید کتاب اور مکہ معظمہ میں اسکی تالیف کا سبب	۱۲
آغاز رسالہ کفل الفقیہ	۱۸
۲۔ حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے۔ نہ کہ مال کا تمسک ہے.....	۲۱
۳۔ کلام ائمہ میں نوٹ کا جزئیہ.....	۲۲
۴۔ نوٹ کی بھاتی قسموں کا بیان.....	۲۵
۵۔ مال چار قسم ہے اور اس میں فقہی مباحث	۲۸
۶۔ مسئلہ نمبر۱ نوٹ مال ہے...	۳۳
۷۔ مسئلہ نمبر۲ نوٹ پر زکوۃ ہے.....	۳۳
۸۔ مسئلہ نمبر۳ نوٹ مہر ہو سکتا ہے.....	۳۴
۹۔ مسئلہ نمبر۴ نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا.....	۳۴
۱۰۔ مسئلہ نمبر۵ نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائیگا	۳۴
۱۱۔ مسئلہ نمبر۶ نوٹ دلوں سے بیچنا جائز ہے	۳۵
۱۲۔ فقہی عمدہ مباحث و مسائل و تنقیحات	۳۶
۱۳۔ مسئلہ نمبر۷ نوٹ کو متاع سے بدلنا بیع مطلق ہے.....	۴۹
۱۴۔ مسئلہ نمبر۸ نوٹ قرض دینا جائز ہے۔ اور بدلے میں نوٹ ملیگا.....	۵۰
۱۵۔ مسئلہ نمبر۹ روپوں کے بدلے نوٹ قرضوں بیچنا جائز ہے.....	۵۰
۱۶۔ اس مسئلہ کی تحقیق کی پیسوں اور روپوں میں اودھار مبادلہ ہو۔ تم صرف ایک طرف کا قبضہ ہو جانا شرط ہے.....	۵۲
۱۷۔ اس پر عمدہ مباحث فقہی.....	۵۴
۱۸۔ مسئلہ نمبر۱۰ نوٹ میں بدنی جائز ہے..	۶۶
۱۹۔ پیسوں میں بدنی جائز ہونے کی تحقیق...	۶۶
۲۰۔ مسئلہ نمبر۱۱ نوٹ کم زیادہ کو بیچنا جائز ہے	۷۱
۲۱۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی پر چار رو	۷۱
۲۲۔ مالیت میں کمی بیشی جائز ہے.....	۷۳
۲۳۔ عمدہ فقہی مباحث و مسائل.....	۷۳
۲۴۔ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا جائز ہے	۷۵
۲۵۔ جن چیزوں میں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے ان میں کم کی طرف کوئی ذرا سی مالیت والی شے ملا کر بیچنا روا ہے.....	۷۶
۲۶۔ فقہ میں کراہت کے کیا کیا معنی ہیں..	۸۲
۲۷۔ اس پر دس دلیلیں کہ تھوڑی قیمت کا مال بہت قیمتی مال سے بخوشی بدلنا جائز ہے..	۸۴
۲۸۔ سود سے بچنے کے طریقے کہ خاطر خواہ زیادہ	

Marfat.com

لین اور سود نہ ہو...... ۸۶
۲۹۔ بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے.... ۹۰
۳۰۔ افضل ذریعہ معاش کیا ہے..... ۹۳
۳۱۔ مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے۔ اور مکروہ تنزیہی اصلاً گناہ نہیں.... ۹۸
۳۲۔ ایک پیسہ سو پیسوں کو بیچنا جائز ہے جبکہ دونوں طرف سے پیسے متعین ہوں... ۹۹
۳۳۔ مسلمان کے چھ حق واجب ہیں... ۱۰۳
۳۴۔ مولوی لکھنوی پر پانچواں رد..... ۱۰۸
۳۵۔ مولوی لکھنوی پر سات رد..... ۱۰۸
۳۶۔ مولوی لکھنوی کے سب میں بڑے وہم کا رد ۱۱۱
۳۷۔ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں۔ تو لین دین میں سب یکساں سمجھے جائیں گے..... ۱۱۲
۳۸۔ مولوی لکھنوی پر چودھواں رد۔ اور یہ کہ جو بات انہوں نے اختیار کی۔ ۱۱۲
۳۹۔ مولوی لکھنوی پر پندرھوں رد...... ۱۱۸
۴۰۔ مسئلہ ۱۲ دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر بیچنا جائز ہے........ ۱۱۹
۴۱۔ قرضدار اگر دیتے وقت زیادہ دے تو کیا حکم ہے........ ۱۲۰
۴۲۔ قرض خواہ سے جو قرض اپنے اوپر آتا ہے خریدنے کے مسائل ۱۲۱
۴۳۔ دفع ربا کے لئے حیلہ شرعیہ جائز ہے...... ۱۲۲
۴۴۔ قرآن وحدیث سے ایسے حیلوں کا جواز ۱۲۴
۴۵۔ فتویٰ جناب مولینا ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸

رسالہ کاسرا السفیہ

۴۶۔ گنگوہی سفاہتوں کے اٹھارہ رد...... ۱۳۲
۴۷۔ جناب مولوی لکھنوی صاحب کے فتوے پر ایک سو بیس اعتراض..... ۱۳۲
۴۸۔ علمائے مکہ معظمہ کا اس رسالہ کی عظیم قدر فرمانا ۱۷۲

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ بلند پایہ کتاب، یگانۂ روزگار عالم، شیخ الاسلام، حامیٔ سنّت اور قاطعِ بدعت حضرت علامہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہٗ کی تصنیف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ کا تعلق قندھار (افغانستان) سے تھا۔ پھر آپ کے آباء و اجداد ہندوستان کی طرف منتقل ہوکر بریلی میں مقیم ہوگئے۔

شیخ ابوالحسن علی الندوی کے والد ماجد علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

"شیخ عالم مفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی افغانی، حنفی، بریلوی جو عبدالمصطفٰے کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ میں بریلی کے مقام پر پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد سے حصولِ علم میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ علم میں کمال حاصل کیا اور بہت سے فنون بالخصوص فقہ اور اصولِ فقہ میں اپنے دور کے علماء پر برتری حاصل کی۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ تحصیلِ علم سے فارغ ہوگئے۔ [1]

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام العارفین قدوۃ السالکین سید آلِ رسول حسینی مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت و خلافت حاصل کیا اور تمام سلاسلِ تصوف اور حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اجازتِ عامہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے صرف ایک ماہ (رمضان المبارک) میں مکمل قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔

امام اہلسنّت نے ۱۲۹۶ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حرمین طیبین کی زیارت کے ساتھ ساتھ وہاں کے مقتدر علماءِ کرام مثلاً علامہ سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ اور شیخ حسین بن صالح سے سندِ حدیث حاصل کی۔

دوبارہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کو زیارتِ حرمین طیبین کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر علماءِ حجاز نے آپ کے اعزاز و اکرام کی خاطر دیدہ و دل فرشِ راہ کیے اور علوم و معارف میں آپ کو عظیم المرتبت پاتے ہوئے

---

[1] عبدالحی لکھنوی، مؤرخ، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۲، حیدرآباد دکن۔

Marfat.com

آپ سے حدیث وطریقت کی سندیں حاصل کیں۔

مدینہ منورہ کے علماء کی طرف سے آپ کو جو پذیرائی اور عزت حاصل ہوئی اس کا نقشہ شیخ محمد کریم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے مکتوب سے مترشح ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"میں کئی سالوں سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوں۔ یہاں ہندوستان سے ہزاروں علماء آتے ہیں جن میں نہایت متقی اور پرہیزگار لوگ بھی ہیں۔ میں انہیں شہر کی گلیوں میں پھرتا ہوا دیکھتا ہوں لیکن کوئی بھی شہری ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جبکہ جلیل القدر علماء کو آپ کی طرف لپکتے اور آپ کی عزت افزائی میں جلدی کرتا دیکھتا ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔"

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ نے جو کتب فی البدیہہ تحریر فرمائی ہیں ان میں سے ایک "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ہے۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے جس سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وسیع علم کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا۔

یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان میں بارہا چھپ چکی ہے اور اب مجاہد اسلام فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حسین حلمی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کوشش سے ترکی میں بھی شائع ہو گئی ہے۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں جن میں سے بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ، ایک نہایت ہی مفید اور اہم تصنیف ہے جسے حوالہ جات، اردو ترجمہ، اور جدید ترتیب کے ساتھ "رضا فاؤنڈیشن لاہور" کے زیر اہتمام چھاپا جا رہا ہے۔

آپ نے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی "رد المحتار" پر حاشیہ بھی رقم فرمایا جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ نیز آپ کا ترجمہ قرآن "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" اردو تراجم میں نہایت عمدہ اور صحیح ترجمہ ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ ایک عرصہ تک مسندِ تدریس پر فائز رہے اس کے بعد تحقیقات اور فتویٰ نویسی میں عمر بسر کی۔ آپ نے بعض سیاسی اور مذہبی لوگوں کو راہِ حق سے انحراف اور احکامِ اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا تو ان کا بھی تعاقب فرمایا۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں علم و دانش اور زہد و تقویٰ کا یہ عظیم پیکر فانی دنیا سے کوچ

کرکے اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوا۔ آپ کا وصال بریلی شریف میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار پُرانوار مرجع خلائق ہے۔

کفل الفقیہ الفاہم

یہ مبارک رسالہ، جو ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں، اسے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ۱۳۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ایک دن اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرما کر تاریخی نام "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم" سے موسوم فرمایا۔ ۱۳۲۴ھ

اس کا پس منظر یہ ہے کہ مفتی امام شیخ عبداللہ میرداد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابوالخیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالات آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ اُس وقت وہاں نوٹ ایک نئی چیز تھی اور فقہائے کرام اس سے متعلق احکام کے بارے میں حیران و پریشان تھے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ان سوالوں کے جوابات دے کر مسئلہ واضح فرمایا۔ وہ سوالات مع جوابات (اجمالاً) درج ذیل ہیں۔

سوال ۱: کیا نوٹ، مال ہے یا رسید؟

جواب: نوٹ، قیمتی مال ہے رسید نہیں۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار (روپے مثلاً) کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔

سوال ۲: اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہاں! شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ یہ ذاتی طور پر مال متقوم ہے۔

سوال ۳: کیا اسے مہر میں دینا صحیح ہے؟

جواب: ہاں! اسے مہر میں مقرر کرنا (اور دینا) صحیح ہے جبکہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔

سوال ۴: اگر اسے محفوظ جگہ سے چوری کر لیا جائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا؟

جواب: ہاں! اگر (ہاتھ کاٹنے کی) شرائط پائی جائیں تو واجب ہوگا۔

سوال ۵: کیا اسے ضائع کرنے کی صورت میں اس کے بدلے تاوان ہوگا؟

جواب: ہاں! اسے ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی مثل کے ساتھ تاوان واجب ہوگا اور ہلاک کرنے

Marfat.com

والے کو درہموں کی صورت میں تاوان ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

سوال۶ : کیا اسے درہموں، دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب : ہاں! جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال۷ : اگر اسے کپڑوں کے بدلے لیا جائے تو بیع مقایضہ ہوگی یا مطلق بیع؟

جواب : یہ اصطلاحی ثمن ہے لہذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا بیع مقایضہ نہیں بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

سوال۸ : کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا دراہم کے ساتھ؟

جواب : ہاں! اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کی مثل سے ہوگی۔

سوال۹ : کیا اسے بطور اُدھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب : ہاں! جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دَین کے بدلے دَین نہ ہو۔

سوال۱۰ : کیا اس میں بیع سلم جائز ہے مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع اور صفت معلوم ہو ایک مہینہ پیشگی درہم دینا؟

جواب : ہاں! نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال۱۱ : نوٹ میں لکھی ہوئی رقم کی تعداد سے زائد کے بدلے میں اس کی بیع جائز ہے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس روپے یا اس سے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب : ہاں! اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال۱۲ : اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید، عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں البتہ میں دس کا نوٹ تم پر بارہ روپے میں بیچتا ہوں تم ہر مہینے ایک روپیہ ادا کرتے رہنا؟ کیا اسے سود کا ایک حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا۔ اور اگر روکا نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام، حالانکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی زائد مال حاصل کرنا؟

جواب : ہاں! جائز ہے اگر واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں۔ اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

رسالہ میں بحث کے دوران آپ نے کچھ ایسی تحقیقات پیش کیں جن سے مکہ مکرمہ کے قارئین کرام بیحد مسرور ہوئے حالانکہ آپ اس وقت حالتِ سفر میں تھے۔ آپ نے صاحب ہدایہ، امام ابن ہمام اور علامہ زاہدی صاحب قنیہ پر کچھ سوال کئے اور آپ نے اپنی تصنیفات میں اکثر یہ طریقہ اختیار کیا لیکن آپ علمائے امت کے ادب واحترام کے پیش نظر اسے "تطفل" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

آپ نے جب بحث مکمل کرلی تو مکہ مکرمہ کے جلیل القدر علماء کرام مثلاً شیخ الائمہ والخطباء علامہ احمد ابوالخیر میرداد حنفی سابق مفتی وقاضی شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب حرم الفاضل سید اسماعیل خلیل حنفی اور مفتی احناف عبداللہ صدیق رحمہم اللہ نے اسے سُنا اور اس کی تحسین فرماتے ہوئے اسے نقل کرلیا بعد میں مفتی احناف عبداللہ صدیق رحمہ اللہ نے جب اس عظیم الشان کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" کو مکتبۂ حرم میں دیکھا تو مطالعہ کرنے کے بعد اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بطور تعجب فرمایا "شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر سے یہ بیان کہاں مخفی رہ گیا۔ علامہ جمال بن عبداللہ مکہ مکرمہ میں مفتی احناف تھے اور فقہ وحدیث کی سند میں امام احمد رضا بریلوی کے دادا استاذ تھے قبل ازیں جب اُن سے احکام نوٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دینے سے توقف کیا اور فرمایا "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے"۔ عبداللہ صدیق نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور جب ان کو بتایا گیا کہ اس کتاب کے مصنف یہاں موجود ہیں تو انہوں نے ملاقات کی، گرم جوشی سے استقبال کیا اور دونوں شخصیتوں کے درمیان علمی مذاکرہ ہوا۔ [1]

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم عمومی شیخ ابوالحسن علی الندوی کہتے ہیں:

"انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں علماء حجاز سے گفتگو کی اور حرمین شریفین میں قیام کے دوران بعض رسائل لکھے، اور علماء حرمین کے سامنے پیش کئے جانے والے بعض مسائل کے جوابات دیئے۔ چنانچہ وہ آپ کی وسعتِ علمی، فقہی متون اور اختلافی مسائل سے واقفیت، سرعتِ تحریر اور ذہانت سے بہت متعجب ہوئے"۔ [2]

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام، الذیل المنوط: ص ۹۷ـــ ۱۰۶

[2] ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر: ۸ج، ص ۴۴

Marfat.com

وہ مزید لکھتے ہیں :

" فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر اطلاع کے حوالے سے آپ نادرِ روزگار تھے۔ آپ کا مجموعہ فتاویٰ اور کفل الفقیہ الفاہم جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں مرتب کیا اس بات پر شاہد ہیں۔" ؎

اسلامی نظام کے نفاذ اور اقتصادی نظام، نیز بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے لئے اس کتاب کی ضرورت اظہر من الشمس ہے

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کے تمام سوالوں کی بنیاد یہی سوال ہے جب اس کاغذ (نوٹ) کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو تمام احکام کسی اشتباہ کے بغیر واضح ہو جائیں گے۔ آپ نے ان لوگوں کا رد فرمایا جو اسے چیک کی طرح رسید قرار دیتے ہیں۔

جب آپ وطن لوٹے تو معلوم ہوا کہ مشائخ دیوبند میں سے رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ نوٹ، چیک ہیں۔ انہیں ان کی مثل کے ساتھ بھی نہیں بیچا جا سکتا چہ جائیکہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا جائے۔ آپ نے اپنی کتاب جس کا تاریخی نام " الذیل المنوط لرسالۃ النوط" ہے، میں اٹھارہ وجوہ سے اُن کا رد کیا۔

مشہور عالم دین علامہ عبدالحی لکھنوی جنہوں نے موطا امام محمد کی شرح " التعلیق الممجد" کے نام سے لکھی ہے، نے فتویٰ دیا کہ نوٹ کو اس سے کم یا زیادہ رقم کے بدلے نہیں بیچا جا سکتا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے گیارھویں سوال کے جواب میں پندرہ وجوہ سے ان کا رد کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے پاس کوئی فتاویٰ نہ تھا۔ واپسی پر آپ علامہ عبدالحی لکھنوی کے فتویٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور بیس وجوہ سے اس پر تنقید فرمائی۔ اگر کوئی کہے کہ آپ نے کس بنیاد پر نوٹ کی مالیت سے کم یا زیادہ رقم کے ساتھ اس کی بیع کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے۔ اور یوں فرماتے ہیں :

؎ ابوالحسن علی الندوی، علامہ، نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۴۲

"امام محمد رحمہ اللہ کی طرح جن لوگوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی جیسا کہ فتح القدیر، ایضاح اور محیط کے حوالے سے گزر چکا کہ لوگ اس کے عادی ہو کر ممنوعات میں نہ پڑجائیں۔ اور ہمارے زمانے میں معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔ اہل ہند میں سُود کھُلم کھُلا رواج پا گیا ہے۔ وہ اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے گویا وہ اسے عیب اور باعث شرم نہیں سمجھتے۔ تو جو شخص ان کو اس عظیم مصیبت اور کبیرہ گناہ سے بعض جائز حیلوں مثلاً دس کے نوٹ کی بارہ روپے کے ساتھ بیع کو جائز قرار دے کہ وہ یہ رقم قسطوں میں ادا کرے یا اس طرح کی کوئی دوسری صورت جیسے امام فقیہ النفس قاضی خان کی طرف سے بیان ہو چکا ہے تو بلاشبہہ وہ شخص مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین تو تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے۔ وللہ الحمد۔ پس جب لوگ سُنیں گے کہ حرام سے بچتے ہوئے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو وہ توبہ کیوں نہیں کریں گے۔ وہ اسلام اور شریعت کے مخالف تو نہیں ہیں:"[1]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ کتاب بزبان عربی مکہ معظمہ میں تصنیف کی، ان کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے عربی میں اس کا تعارف لکھا اور واپس آکر اردو میں ترجمہ کیا۔

اس سے قبل یہ رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ" نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور کے اہتمام میں شائع ہوا تھا۔ اب فقیر کی تحریک پر دوبارہ پیرزادہ سید محمد عثمان نوری نے اس کی اشاعت ثانی کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ جل مجدہ ان کے والد گرامی پیر سید محمد حسن شاہ صاحب گیلانی نوری اور ان کو مزید ہمت دے کہ یہ اپنے بزرگوں کے اس فیضان کو جاری و ساری رکھیں۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] امام احمد رضا بریلوی : امام، کفل الفقیہ الفاہم : نوری کتب خانہ لاہور، ص ۱۸-۱۱۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد الحمید المحمود حمد حامد احمد و
واصلی واسلم علی احمد محمد اسمہ احمد و
وبعد فلما توجہ للمسیر کالبدر المنیر
من حضیض الھند الی اوج حج ام
القری وزیارۃ حرم الحبیب المصطفیٰ
المرتجی المرتضی المجتبیٰ علیہ افضل التحیۃ
والثناء مرۃ اخری فی العام الماضی قبل
عام خلا امام اھل السنۃ السنیۃ و
الجماعۃ السنیۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ
مؤید الملۃ الطاہرۃ سنا م نور
الایمان انسان عین الاعیان الذی
لم یکتحل بمثلہ طرف الاوان قطب
المکان وغوث الزمان برکۃ الاعیان
ایۃ من ایات الرحمٰن سیدی واستاذی
ووالدی وملاذی حضرۃ المولی الحاج
الشیخ احمد رضا خان افاض اللہ
علینا من شآبیب فیضہ المدرار
ما ترنم الھزار فوق الازھار وکنت
دخیلاً فی محاسیب عیالہ متشبثا

سراہے گئے حمد کئے گئے کی وہ حمد کرتا ہوں۔
جو سب سے بہتر حمد کرنے والے نے کی۔ اور
درود وسلام بھیجتا ہوں انپر جو سب بکثرت سراہے
ہوؤں سے زیادہ سراہے گئے ہیں جنکا نام پاک احمد
ہے۔ حمد و نعت کے بعد جبکہ چودھویں رات
کے روشن چاند کی طرح سیر کے لئے ہند کی پستی
سے بلندی حج مکہ معظمہ و زیارت حرم حبیب مصطفےٰ
امیدگاہ پسندیدہ برگزیدہ علیہ افضل الصلوٰۃ
والسلام کی طرف سال گذشتہ سے پہلے سال
دوسری بار وہ متوجہ ہوئے جو اہل سنت تابندہ
وجماعت سنت کے امام ہیں۔ اور موجودہ صدی کے
مجدد۔ ملت پاکیزہ کے ناصر۔ نور ایمان کی بلندی
چشم عالم کی پتلی۔ وہ کہ زمانے کی آنکھ نے ان کا
مثل نہ دیکھا۔ قطب مکان و غوث زمان و
برکت موجود۔ آیات الٰہیہ سے ایک آیت۔ میرے
سردار و استاذ و والد و جا پناہ حضرت مولانا حاجی
جناب احمد رضا خان صاحب۔ اللہ عزو
جل ہم پر انکے فیض بسیار بار کے چھینٹے ڈالے جبتک
کلیوں پر بلبل چہکیں۔ اور میں انکے شمار عیال میں داخل

Marfat.com

باهدابه واذياله فرأيتُ ماقد خصّه
الله تعالىٰ به من منايا الاكرام و
اسبغ عليه من العطايا العظام۔ و
اسبل عليه من غطاء الانعام ببلده
الحرام وبلد حبيبه سيّد الانام
عليه افضل الصّلوٰة والسّلام مدى
اللّيالى والايّام فبجّله اهاليها ووقّروه
وكرّموه وحبّروه وعلى اعدائه نصروه و
نهروا المفسدين المارقين من الدّين
كما تخرج الشّعرة من العجين وهتكوا
خيام خبثهم المهين نباءوا بغضب من
الله واصبحوا خاسرين وساء صباح المنذرين
وفرّت ذريّة الشيطان بهوة الهوان
كحمر مستنفرة فرّت من قسورة و
هتكت استارها وكشف عوارها و
فشا عارها وتوارى اوارها وخمدت
نيرانها وقتلت ثيرانها وذبحت ثيرانها
وقابله العلماء الكرماء الاتقياء العظماء
الكبار الاعلام بكمال الاعزاز ونهاية
الاحترام وشهدوا له انّه السيّد الفرد
الامام بل قبّلوا اياديه والاقدام۔ و
استمعوا منه الحديث المسلسل بالاوليّة
واستجازوا منه بالصّحاح والسّنن و

انکے آنچلوں دامنوں سے تمسّک تھا۔ تو میں نے
دیکھے وہ عزت کے امتیاز جن سے اللہ تعالیٰ نے انکو
خاص کیا۔ اور اُن پر اپنی بڑی عطائیں وسیع فرمائیں
اور اُنپر اپنے انعام کا دامن ڈالا اپنے حرمت والے
شہر (مکہ معظمہ) اور اپنے سرور عالم کے شہر (مدینہ طیبہ میں)
(اُنپر سب سے بہتر درود و سلام جبتک رات دن باقی
رہیں) دونوں شہر کرم کے لوگوں نے انکی تعظیم و توقیر
و تکریم و خاطرداری کی۔ اور اُن کے مخالفوں پر اُن کو
مدد دی۔ اور اُن مفسدوں کو کہ دین سے ایسے نکل گئے
جیسے آٹے سے بال مغلوب کیا۔ اور انکی ذلیل خباثت
کے پردے چاک کئے۔ تو وہ غضب الٰہی کے
مستحق ہوئے۔ اور خسارے میں رہے۔ اور ڈرائے
گئے کی بری صبح ہوئی۔ اور شیطان کی اولاد ذلت کی غار
میں بھاگی۔ جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگے
ہوں۔ اور اُن مفسدوں کے پردے چاک ہوئے۔ اور
عیب کھل گئے۔ اور اُن کی ذلت فاش ہوئی۔ اور انکی
گرمی سرد پوش اور انکی آگیں خاموش ہوئیں۔ اور انکے چہیتے
مارے گئے۔ اور انکے بیل ذبح کئے گئے۔ اور حضرت ممدوح
علمائے کرام اتقیاء عظام بڑے بڑے مشاہیر کمال عزت
اور نہایت احترام سے ملے۔ اور انکے لئے گواہی دی
کہ وہی سردار و یکتا و امام ہیں۔ بلکہ اُن کے ہاتھ
پاؤں چومے۔ اور اُن سے حدیث مسلسل بالاولیۃ
سنی۔ اور حدیث کی کتابوں صحاح و سنن و

Marfat.com

المسانيد والمعاجيم والمصنفات الاربع
المروية حتى بايعوا على يده وانسلكوا
فى السلسلة العلية القادرية الرضوية
وكان ذلك كله دقم رجله بالاصرار
فوق الاصرار من صناديد العلماء و
كبار الكبار ذلك فضل الله يؤتيه من
يشاء والله ذو الفضل العظيم وطابت
بطيب ذكره الأذان وفاح بشميم فضله
كل ناد ومكان وطار صيت نوالرز الزوايا
والآفاق فتاقت الافئدة للقائه بالاشواق
سد انه فاح عرف علومه وتضوع مسك
فهومهم من الرسالة المباركة الدولة
المكية بالمادة الغيبية التى
صنفها بجواب اسئلة الوهابية الخبيثة
فهزم الاحزاب ويداه تحت الثياب
وقتل الرؤس والاذناب وسيفه فى
الجراب واتم الكتاب وانهى الجواب
فى ثلث جلسات لايبلغ مجموعها
عشر ساعات فما كان الا كرامة من الله
وخرقا للعادة لكنه له كداب وعادة
قد جرب مرارا فى امثال الافادة اتم
الله له الحسنى وزيادة فاق بها بديهة
مطاوعة وبلاغة رائعة متجليتر بدرايات

مسانید و معاجیم اور چاروں مصنفوں کی اجازت
لی۔ یہانتک کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ علیہ
قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔ اور یہ تمام باتیں
چھوٹی نور ہا ہی سب اُن عمائد علماء و اکابر کبرا کے
اصراروں سے ہوئیں۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے
دے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔ حضرت
ممدوح کے تذکرہ سے کان خوش ہوئے۔ اور اُن کی
خوشبوئے فضل سے ہر مجلس و منزل مہک اُٹھی۔
اور اُن کے فیض کا شہرہ اطراف و آفاق میں بلند ہوا
تو قلوب بڑے شوق سے اُن کے آرزو مند ہوئے
مگر اون کے علوم کی خوشبو پھیلنا اور اون کی مشک
فہم کا خوب مہکنا رسالہ مبارکہ الدولۃ المکیۃ
بالمادۃ الغیبیۃ ۱۳۲۳ھ سے ہوا۔ جسے عیبی وہابیہ
کے جواب سوالات میں تصنیف فرمایا۔ تو اُن
کے گروہوں کو بھگا دیا۔ اور ہاتھ باہر نکلنے کی
حاجت نہ ہوئی۔ اور اُن کے سر و دُم قطع کئے
اور تلوار نیام کی نیام ہی میں رہی۔ یہ کتاب اور
جوابات صرف تین جلسوں میں تمام ہوئے جنکا
مجموعہ دس گھنٹے بھی نہ تھا تو یہ نہ تھا مگر اللہ عزوجل
کیطرف سے کرامت و خارق عادت۔ مگر وہ حضرت ممدوح کیلئے
تو دستور و عادت کے مثل ہے کہ ایسے افادوں میں اُن سے بارہا
تجربہ ہوا۔ اللہ انکے لئے وہ سب سے بہتر خوبی اور اُسپر بھی زیادت
پوری کرے تو یہ رسالہ ایک نہری نگاہ فرماں پذیر اور بلاغت

Marfat.com

فاستضاءوا بانوارها الساطعة۔ و
استيقنوا ان له قدما فارعة في
اعلام العلوم من المنقول والمفهوم
فاستوقفوا عنده مطايا الادب۔ و
انضوا اليه ركاب الطلب واستفتوه
في مسائل كثيرة فاجابهم عن قريحة
مشرقة منيرة منها اثنتا عشرة مسئلة
تبلو الاذهان وتجلو المكان وتسبر
الاوزان وتخبر عن قدر الفرسان في
معارك الميدان بعد ما بلحثوا فيها
من جل وقل واستسقوا لها الوابل
والطل وتعلل الناس بعسى ولعل۔
فابتدء في اجوبتها يوم السبت و
عاودته الحمى يوم الاحد فانهاه
ضحى يوم الاثنين لسبع بقين من
المحرم الحرام سنة ۱۳۲۴ھ في بلد الله الحرام
فقد اتى بفضل الله المنعام مزنة عند
الاوام وكان ذلك الاقتراح من
الفاضل الصفي الكامل الوفي امام
المقام الحنفي مولانا الشيخ عبد الله
ميرداد المكي القادري الرضوي ابن
شيخ الخطباء وسيد الائمة العظماء
حضرة الشيخ احمد ابي الخير حفظهما

ترقی گزین سے لکھدیا سیراب روایتوں سے جلوہ ریز
اور گوہرین دلنشیں سے زیب پوش۔ تو وہ علما اُس کے
بلند نوروں سے ضیا گیر ہوئے۔ اور انہوں نے یقین
کیا کہ مصنف کا قدم مشاہیر علوم معقول و منقول
میں بلند ہے۔ تو اُن کے پاس حاجتوں کے ناقے
روکے۔ اور اُنکی طرف طلب کے جمازے سرگرم تیز
کئے۔ اور بہت مسائل میں اُن سے فتوے چاہے
تو مصنف نے چمکتی نورانی طبیعت سے اُنکو جواب
دیئے۔ ازآں جملہ وہ بارہ مسئلے کہ ذہنوں کو آزمائیں
اور آدمی کا مقام کھولیں اور قیمت جانچیں۔ اور میدان
کے معرکوں میں سواروں کی قدر بتائیں بعد اسکے کہ وہ علما
ان مسائل میں صغار و کبار سے بحث کر چکے تھے۔ اور
اُنکے لیے بڑی بھرن اور شبنم سب پانی مانگ چکے تھے
اور لوگوں نے آئے بلے کرکے ٹال دیا تھا۔ ایسے مسائل
کا جواب مصنف ممدوح نے بروز شنبہ شروع فرمایا۔
اور اتوار کو پھر بخار آگیا۔ تو بروز دوشنبہ پہر دن چڑھے انہے
تمام فرمایا ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو اللہ عزوجل کے
حرمت والے شہر مکہ معظمہ میں تو بڑے احسان والے اللہ
کے فضل سے پیاس کے وقت مینہ آیا۔ اور جس کی خواہش وہ علما
کی طرف سے ہوئی تھی ایک فاضل پاکیزہ کامل کامل مقام
حنفی کے امام مولنا شیخ عبداللہ میرداد مکی قادری رضوی
شیخ الخطبا و سردار ائمہ باعظمت حضرت شیخ احمد
ابوالخیر کے صاحبزادے اللہ عزوجل اُنکو

Marfat.com

الله تعالیٰ عن کل ضیر۔ واستاذہ الفاضل الکامل الحامد الزاوی عن کل المساوی مولانا الشیخ حامد احمد محمد الجداوی حفظ عن شر العدو الغاوی ووقانا وایاھم عن کلاب البدع ونباح العاوی وحمانا وایاھم عن جمیع المھالک والمھاوی وروانا جمیعًا من شآبیب فضلہ الراوی ولنضر قلوبھم وقلبی الزاوی ویغفرلنا ولھم جمیع المساوی ویرزقنا جمیعا عودا بعد عود لمأتی بیتہ الکریم و بیت حبیبہ الرؤف الرحیم علیہ وعلی الہ الصلوۃ و التسلیم کرات بعد مرات بالقبول والبرکات بجاہ مصحح الحسنات مقیل العثرات دلیل الخیرات ماحی الذنوب والسیئات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ و ازواجہ الطاھرات۔ وقد سمی الرسالۃ

کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم

۱۳۲۴ھ

فھا ھی ذہ والحمد للہ علی آلائہ والصلوۃ والسلام علی افضل انبیائہ

ہر مضرت سے محفوظ رکھے۔ دوسرے انکے استاذ فاضل کامل سب بُری باتوں سے یکسو و کنارہ گزیں مولینا شیخ حامد احمد محمد فاضل جدہ وہ دشمن و گمراہ کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُنہیں اور ہمیں بد مذہب کتوں اور بھونکنے والے کے بھونکنے سے بچائے۔ اور ہمیں اور اُنہیں سب تہلکوں اور گرنے کی جگہوں سے نگاہ رکھے۔ اور ہم سب کو اپنے فضل سیراب کے چھینٹوں سے سیراب کرے۔ اور اُن کے دل اور میرے دل پژمردہ کو ترو تازہ کرے۔ اور اُنکی اور ہماری سب برائیاں بخشدے۔ اور ہم سب کو بار بار اپنے کرم والے گھر اور اپنے حبیب نہایت مہربان رحم والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزار کی طرف بار بار تکرار حاضری پر حاضری عطا فرمائے۔ قبول اور برکتوں کے ساتھ اون کی عزت کا صدقہ جو نیکیوں کو صحت بخشنے والے ہیں۔ اور لغزشوں کے معاف فرمانے والے بھلائیوں کے رہنما ہر گناہ و بدی مٹانیوالے اللہ تعالیٰ اون پر اور اُن کے آل و اصحاب اور پاک بیبیوں پر درود بھیجے۔ مصنف نے رسالہ کا نام

کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

۱۳۲۴ھ

رکھا۔ ہاں وہ رسالہ یہ ہے اور اللہ کیلئے حمد ہے اُسکی نعمتوں پر۔ اور درود و سلام افضل انبیاء پر

وعلى آله وصحبه وسائر احبائه
وعلينا معهم وبهم وفيهم ولهم
وعلى جميع المسلمين والمسلمات
الاحياء منهم والاموات آمين
يارب العلمين۔

قاله بفيه شاهدا بما فيه
راجى رحمة ربه ونعمة حبيبه بالكرم
النبوى واللطف الولوى
محمد المعروف بحامد
رضا البريلوى
سقاه الله من منهل
كرمه الروى
وحماه الله
عن شر الحر
المدوى

اور ان کے آل واصحاب اور تمام احباب پر
اور ہم پر ان کے ساتھ اور ان کے سبب اور
ان کے گروہ میں اور ان کے صدقہ میں اور تمام مسلمان
مردوں اور عورتوں پر جو ان میں زندہ ہیں اور جو مر گئے
ایسا ہی کر اے پروردگار سارے جہان کے ۔

اسے اپنے منہ سے کہا اس کے مضمون پر گواہی
دیتا ہوا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم
اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہربانی سے
اپنے رب کی رحمت اور اس کے محبوب کی نعمت
کے امیدوار محمد جس کا عرف حامد رضا
بریلوی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے
سیراب کرنیوالے گھاٹ سے
پانی پلائے۔ اور اسے پژمردہ
کرنے والی گرمی کے
شر سے بچائے۔

Marfat.com

كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

ما قولكم دام طولكم في هذا القرطاس المسكوك المسمى بالنوط والسؤال عنه في مواضع الأول هل هو مال أم سند من قبيل الصك الثاني هل تجب فيه الزكوة إذا بلغ نصابا فاضلا وحال عليه الحول أم لا الثالث هل يصح مهرا الرابع هل يجب القطع بسرقته من حرز الخامس هل يضمن بالإتلاف بمثله أو بالدراهم السادس هل يجوز بيعه بدراهم أو دنانير أو فلوس السابع إذا استبدل بثوب مثلا يكون مقايضة أو بيعا مطلقا الثامن هل يجوز إقراضه وإن جاز فيقضى بالمثل أو بالدراهم التاسع هل يجوز بيعه بدراهم نسيئة إلى أجل معلوم العاشر هل يجوز السلم فيه

نوٹ کے متعلق مسائل

۲۹ ھ ۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

آپ کا کیا ارشاد ہے، آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے۔ اور اُسے نوٹ کہتے ہیں۔ اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں اول کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟ دوم جب وہ بقدر نصاب ہو۔ اور اُس پر سال گذر جائے۔ تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یا نہیں؟ سوم کیا اُسے مہر مقرر کرسکتے ہیں؟ چہارم اگر کوئی اُسے محفوظ جگہ سے چرائے۔ تو اُسکا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟ پنجم اگر اُسکو کوئی تلف کرے تو عوض میں اُسے نوٹ ہی دینا ہوگا یا روپے؟ ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اُسکی بیع جائز ہے؟ ہفتم اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ جسمیں دونو طرف متاع ہوتی ہے؟ ہشتم کیا اوسے قرض دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے۔ تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے۔ یا روپے؟ نہم کیا روپوں کے عوض بایک وعدہ معینہ پر قرضوں اُس کا بیچنا جائز ہے؟ دہم کیا اوس میں بیع سلم جائز ہے؟

Marfat.com

بان تعطى الدراهم على نوط معلوم
نوعا وصفة يؤدى بعد شهر مثلا
الحادى عشر هل يجوز بيعه بأزيد
مما كتب فيه من عدد الربابي كان
يباع نوط عشرة باثنى عشر او عشرين
او بانقص منه كذلك الثانى عشر
ان جاز هذا فهل يجوز اذا اراد
زيد استقراض عشرة ربابي من عمرو
ان يقول عمرو لا دراهم عندى ولكن
ابيعك نوط عشرة باثنتى عشرة
ربية منجمة الى سنة تؤدى كل
شهر ربية وهل ينهى عن ذلك لانه
احتيال فى الربا وان لم ينه فما
الفرق بينه وبين الربا حتى يحل
هذا ويحرم ذلك مع ان المال وهو
حصول الفضل واحد فيهما ـ
انبئونا الجواب. توجروا يوم الحساب

الجواب

اللهم لك الحمد يا وهاب صل
وسلم على السيد الاواب. وعلى
اله وازواجه والاصحاب اسألك
هداية الحق والصواب. اعلم
وفقنى الله واياك وتولى هداى وهداك

یوں کہ روپے پیشگی دیئے جائیں۔ کہ مثلاً ایک مہینہ
کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا۔
یازدہم کیا یہ جائز ہے۔ کہ جتنی رقم اوس میں
لکھی ہے۔ اوس سے زائد کو بیچا جائے۔ مثلاً
دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو۔ یا اسی طرح
اوس سے کم کو۔ دوازدہم۔ اگر یہ جائز ہے
توکیا یہ بھی جائز ہے۔ کہ جب زید عمرو سے دس
روپے قرض لینا چاہے۔ تو عمرو کہے۔ روپے تو
میرے پاس نہیں ہیں۔ ہاں میں دس کا نوٹ
بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ
بیچتا ہوں۔ کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے
کیا اس کو منع کیا جائے گا۔ کہ یہ سود کا حیلہ
ہے۔ اور اگر منع نہ کیا جائے۔ تو اس میں
اور ربا (سود) میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ حلال
ہو اور وہ حرام۔ حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے
یعنی زیادتی کا حاصل ہونا +
ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے

جواب

الٰہی تیرے ہی لئے حمد ہے اے بہت عطا فرمانے والے
درود و سلام بھیج اون سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع
فرمانیوالے ہیں۔ اور اون کے آل و ازواج و اصحاب پر۔ میں
تجھ سے حق و راستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالیٰ مجھے
اور تجھے توفیق دے۔ اور میری تیری ہدایت کا والی ہو

ان النوط من احدث الاشياء و
اجدها۔ لن تجد له ذكرا ولا اثرا
فى شئ من مؤلفات العلماء حتى
العلامة الشامى ومن ضاهاه من
العلماء المانهين قريبا ولكن الائمة
شكر الله تعالى مساعيهم الجميلة و
افاض علينا من بركاتهم الجليلة۔ قد
بيّنوا الملة الحنفيه بيانا شافيا
ليس دونه خفاء وقد اضحت بحمد
الله تعالى غرا بيضاء ليلها كنهارها
فاصلوا اصولا وفصلوا تفصيلا و
ذكروا كليات تنطبق على مالا يحصى
من جزئيات فالحوادث وان ابت
النهاية لا تكاد تخرج عما افادونا
من الدراية ولن يخلو الوجود
ان شاء الملك الودود عمن يقدره
المولى سبحنه وتعالى على استخراج
تلك الخبايا والاسترباح من تلك
العطايا والمزايا نعم من الافهام
بعيد وقريب والانسان يخطئ و
يصيب وما العلم الا نور يقذفه
الله تعالى فى قلب من يشاء من
عباده فلا حيلة الا الالتجاء الى

کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا
چیز ہے۔ تو تالیفات علماء میں اسکا اصلا نام
ونشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان
کے مثل جنکا زمانہ ابھی قریب گذرا۔ لیکن ہمارے
اماموں نے (اللہ تعالے انکی نیک کوششیں ٹھکانے
لگائے۔ اور انکی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے)
اس دین حنیف کا شافی بیان فرما دیا۔ جس میں
اصلا پوشیدگی نہیں۔ تو بحمد اللہ یہ شریعت
ایسی روشن چمکتی ہوگئی۔ کہ اوس کی رات
بھی دن کی طرح ہے۔ تو انہوں نے قواعد
مقرر فرمائے۔ اور ہر بات جدا جدا دکھا دی۔
اور ایسے کلیے ذکر فرمائے۔ کہ بیشمار جزئیوں پر
منطبق آئیں۔ تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ
ختم ہونا نہیں مانتیں۔ مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے
گئے ہیں۔ اوس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم
ہوتی۔ اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی
نہ ہوگا جسے اللہ تعالے ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے
اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے
پر قدرت دے۔ ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں
اور بعضے قریب۔ اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور
صواب بھی۔ اور علم تو اوسی نور کا نام ہے جو اللہ
تعالے اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا
فرمادے۔ تو سوا اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی

Marfat.com

توفیقہ سبحنہ و ارشادہ وحسبنا الله ونعم الوکیل وعلیہ ثم علی رسولہ التعویل جل وعلا وتکرم وصلی الله تعالٰی علیہ وسلم **فاقول** وبالله التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اوّل اسئلتک اصل اسئلتک واذا علمت حقیقۃ ھذا القرطاس اتضحت الاحکام کلھا من دون التباس۔ امّا اصلہ فمعلوم انّہ قطعۃ کاغذ والکاغذ مال متقوم وما زادتہ ھذہ السکۃ الا رغبۃ للناس الیہ و زیادۃ فی صلوح ادخارہ للحاجات و ھذا معنی المال ای مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ للحاجۃ کما فی البحر و الشامی وغیرھما و معلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم عن التصرف فی قطعۃ قرطاس کیفما کانت کما ورد بہ فی الخمر والخنزیر وھذا ھو مناط التقوم کما فی ابن عابدین وفیہ عن التلویح المال ماشانہ ان یدخر للانتفاع وقت الحاجۃ والتقویم یستلزم المالیۃ

توفیق وہدایت کی طرف ہدایت کی طرف التجا کی جائے۔ اور اللہ ہم کو کافی ہے۔ اور بہت اچھا کام بنانے والا۔ اور اوسی پر پھر اُس کے رسول پر بھروسا۔ وہ بزرگی وبلندی وکرم والا اور اُنپر اسکے درود وسلام تو میں کہتا ہوں۔ اور اللہ ہی کیطرف سے توفیق ہے اور اوسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہوجائیگی۔ تو سب احکام واضح ہوجائینگے جنمیں کوئی شبہ نہ رہیگا اُسکی اصل تو معلوم ہے۔ کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکّہ نے اوسے کچھ زیادہ نہ کیا۔ مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اوس کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کیلئے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا۔ اور مال کے یہی معنی ہیں۔ یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کیلئے اٹھا رکھنے کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے۔ اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں جسطرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب وسؤر کے بارے میں نہی وارد ہوئی۔ اور مال کی قیمت والی چیز ہونیکا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اوسمیں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ چیز ہے جسکی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اُس سے نفع لینے کیلئے اٹھا رکھ جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے

بیان حقیقۃ القرطاس وانہ مال متقوم

حقیقت کاغذ کا بیان اور یہ کہ وہ مال متقوم ہے

Marfat.com

وفيه عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغير الآدمی خلق لمصالح الآدمی وامكن احرازه والتصرف فيه علی وجه الاختيار اھ وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدير

لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره اھ

وهذه ان حققت جزئية النوط اتی بها هذا الامام قبل حدوثه بخمسمائة سنة فانه هو الكاغذ الذی يباع بالف ولا غرو فكم من مثل هذه الكرامات لعلمائنا الكرام نفعنا الله تعالی ببركاتهم فی الدنيا والآخرة آمين فلا ريب ان النوط بنفسه مال متقوم يباع ويشتری ويوهب ويورث ويجری فيه جميع ما يجری فی الاموال +

اقول ومن الظن بل من اردء الشكوك توهم انه سند من قبيل الصكوك ای ان السلطنة التی تروج هذه القراطيس تستدين من اخذيها الدراهم وتعطيهم هذه تذكرة

اور اوسی میں بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کیلئے پیدا کی گئی۔ اور اس قابل ہو۔ کہ اوسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اوسمیں تصرف کریں۔ اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے:-

اگر کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے اھ

اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اوسکی پیدائش سے پانسو برس پہلے فرمادیا۔ کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار روپے کو بکتا ہے۔ اور کچھ اچنبا نہیں۔ کہ ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اونکی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے آمین! تو کوئی شک نہیں۔ کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے۔ کہ بکتا ہے۔ اور مول لیا جاتا ہے۔ اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں۔ سب اوسمیں جاری ہوتی ہیں +

اقول اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شکوک میں سے ہے یہ وہم[1] کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے۔ یعنی وہ سلطنت کہ جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے۔ اون لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے۔ اور یہ اون کے قرضوں اور اونکی مقداروں کی یادداشت انکو دیتی ہے

[1] یہ وہم مولوی رشید احمد گنگوہی کو لگا ہے۔ اسکا بیان ختم کتاب پر دیکھیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲ مترجم غفرلہ

Marfat.com

لدیونهم و لمقادیرها فاذا جاءُوا
بها الی السلطنه قضتهم دیونهم
و اخذت قراطیسها وان اعطوها
غیرهم من الرعایا فهم یستدینون
من اولئك الآخرین و یحیلونهم
علی السلطنة و یعطونهم تلك
التذكرة علما علی الاحالة لكي
یتوصلوا بها الی اخذ مثل دیونهم
من السلطنة المدیونة لمدینهم
و هكذا كلما تداولت الایدی
تكررت الادانات والحوالات هٰذا
معنی كونه سندا و كل طفل عاقل
یعلم ان هٰذه المعانی مما لا یخطر
ببال احد من المتعاملین بها ولا
یقصدون تطبیق هٰذا التداول ادانة
ولا استدانة ولا احالة ولا یذهب
خاطرهم الی شیئ من ذٰلك اصلا و
لا تری احدهم قط یذكر فی دفتر دیونه
علی الناس من اخذ الدراهم منه
باعطاء النوط ولا یقول له مدة عمره
انك استدنت منی كذا فاقضنی
و خُذ تذكرتك منی ولا فی دفتر
دیون الناس علیه من اخذ هو

توجب وہ لوگ سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر
آئیں سلطنت اونکی قرض ادا کر دیتی ہے۔ اور اپنے
کاغذ واپس لیتی ہے۔ اور اگر نوٹ لینے والے رعیت
میں اوروں کو نوٹ دیں۔ تو وہ اُن دوسروں سے
روپے قرض لیتے ہیں۔ اور اپنا قرضہ سلطنت پر
اوتار دیتے ہیں۔ اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت
کا کاغذ اونکو دیدیتے ہیں۔ تاکہ اون کے ذریعہ سے
ان دوسروں نے جو قرض اُن پہلوں کو دیا تھا۔ اوسے
سلطنت سے وصول کر سکیں۔ جو اُن پہلوں اُن کے
مقروضوں کی مدیون ہے۔ اور یوں ہی جتنے الٹ پھیر
نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے
ہیں۔ اوس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں۔ اور ہر
سمجھ والا بچہ بھی جانتا ہے۔ کہ جتنے لوگ نوٹ کا
معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا
خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ اور کبھی اس الٹ پھیر سے
قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے
اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف اونکا خیال
نہیں جاتا۔ اور تُو اون میں کبھی کسی کو نہ دیکھیگا
کہ اپنے قرض کے بہی کھاتے میں اوسکا نام لکھے جس
نے نوٹ دیکر اوس سے روپے لئے۔ اور اپنی زندگی بھر
اوس سے یہ نہیں کہتا کہ تُو نے مجھ سے قرض لیا ہے۔ ادا
کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لیلے۔ اور جو اوروں کا
اسپر دینا آتا ہے اوس میں بھی اوسکا نام کبھی نہیں لکھتا

Marfat.com

الدّراهم منه واعطاه النّوط ولا ينكر
لاحد فی حیاتہ ولا عند مماته انّ
لفلان علیّ کذا فاقضوه وخذ وا
تذکرتی منه والظلمۃ المتهتکۃ
المعتاد باکل الرّبا جهاراً لا یدینون
احدا درهما الا بربا یوضع علیه
کلّ شهر ما لم یقض وتراهم یأخذون
النّوط ویعطون الدّراهم ولا یطالبون
علیها فلسًا واحدًا لا علی شهر
ولا علی سنین ولو علموا انّه ادانة
لما ترکوه قطعًا فالحقّ انّهم جمیعًا
انّما یقصدون المبادلة والبیع و
الشّراء ومن اخذ النّوط یعلم قطعًا
انّه ملکه بالدّراهم ومن اعطاه
یعلم قطعًا انّه اخرجه من ملکه
بالدّراهم وصاحبه یعدّه من
ماله وکنزه کالنّقدین والفلوس
ویدّخره ویهبه ویوصی به و
یتصدّق فلا یفهمون الّا البیع
والنّاس عند مقاصدهم و
انّما الاعمال بالنّیّات وانّما
لکلّ امرئ ما نوی فمن المتیقّن
الّذی لا یحوم حومه شبهة انّه

جسے نوٹ دیکر اُس نے روپے لئے۔ اور کبھی
اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں کہتا۔ کہ
فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے۔ اوسے ادا کر دینا۔ اور
میری یاد داشت اوس سے لے لینا۔ اور وہ ظالم
بیباک جو سود علانیہ کھانیکے عادی ہیں ایک
پیسہ کسی کو قرض نہ دینگے جبتک تا ادائے دین
اوسپر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں۔ اور تو انہیں دیکھیگا
کہ نوٹ لیکر روپے دیتے ہیں۔ اور اوسپر ایک پیسہ
بھی نہیں مانگتے۔ نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد
اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ
چھوڑتے۔ تو حق یہ ہے۔ کہ وہ سب کے سب
اس سے مبادلہ اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے
ہیں جو نوٹ لیتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا ہے۔
کہ میں روپے دیکر اسکا مالک ہوگیا۔ اور جو
نوٹ دیتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے
لیکر نوٹ اپنی ملک سے خارج کر دیا۔ اور نوٹ
لینے والا اوسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح
اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے۔ اور اوسی جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ
کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدق کرتا ہے تو
وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں۔ اور
اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائینگے جو انکے مقصود
ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے
جو اسنے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہ کا

عند الناس مال متقوم محترز مدخر مرغوب فيه يباع ويشترى ويجرى فيه كل ما فى المال جرى اما ما ترى من علو اثمانہ فقطعۃ بعشرۃ واخرى بمائۃ واخرى بالف

الكلام على اثمان النوط

فاقول قد مناعن الفتح ان قطعۃ قرطاس تصلح ان تباع بالف وذلك بالتراضى بين العاقدين فقط فكيف اذا تراضى عليہ امم من الناس وجعلوا هذه القطعات بهذه الاثمان اصطلاحا منهم علا ان الضرب السلطانى لہ قيمۃ عند الشرع ايضا الا ترى ان من سرق عشرۃ دراهم مضروبۃ قطع ومن سرق تبرا غير مضروب وزنہ قدر عشرۃ ولا تبلغ قيمتہ عشرۃ مضروبۃ لم يقطع كما نص عليہ فى الهدايۃ وغيرها عامۃ كتب المذهب والفلوس المضروبۃ المقدرۃ برتبۃ ان اخذت قدرها وزنہا من النحاس لا يساوى ربتۃ قطعا بل قد لا يساوى نصفها

بازنہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اسکی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے۔ یہ جو مال میں ساری باتیں جاری ہوتی ہیں سب اسمیں جاری ہیں تو جو تم اسکی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا۔ دوسرا سو کا تیسرا ہزار کا۔

نوٹ کی بڑی قیمتوں پر کلام

اقول ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے ہیں۔ کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے۔ اور اوس کے لئے صرف اتنا درکار ہے۔ کہ بائع اور مشتری دونوں اسپر راضی ہوں۔ تو اوس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں۔ اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھیرالیں۔ علاوہ برین سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے۔ کہ تو نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے۔ اوس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو۔ اور اوس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچے۔ اوس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے۔ اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں۔ اگر تو اون کے وزن کا تانبا لے۔ تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا

Marfat.com

بل ترى مثل ذلك في الفضة فقد
كانت في قريب من الزمان فضة
تساوي دبيتين وزنا بربية واحدة
في بلادنا وكانت الجهلة يشترون
ولا يعلمون ما فيه من وبال الربا
فاذا حصل بالضرب التضعيف
فالضعف والاضعاف سواء ومن
الجلي عند كل من ورد ولو عابر
سبيل مشرع الشرع الجليل او
منهل العقل السليم ان الشئ التافه
جدا ربما يعرض له ما يجعله اغلى
من الوف امثاله وربما اشتريت
جارية بمائتي الف واكثر ولا
يرغب في اخرى بثلثين درهما مع
ان الاوصاف لا قسط لها من الثمن
حتى الاطراف ما لم تصر مقصودة
بالاتلاف فما هي الا ثمن الذات
زادته الاوصاف لزيادة الرغبات
أرأيتك ان كانت ورقة كاغذ فيها
علم نفيس عجيب نادر غريب وكان
رجل يطلبه ويعرف قدره
فاشتراها بعشرة آلاف هل فيه
من خلاف كلا بل حلال طيب

بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے۔
ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے۔ کہ دو روپے بھر
چاندی ہمارے ملک میں ایک روپیہ کو بکتی
تھی۔ اور جاہل لوگ خریدتے تھے۔ اور
نہیں جانتے تھے کہ اوس میں سود کا کیسا وبال
ہے۔ تو ہو سکے جب دونا دون قیمت
ہو گئی۔ تو دوچند اور ہزار چند یکساں۔ اور ہر
شخص کہ جو شرع مطہر یا عقل سلیم کے
گھاٹ سے گزرا ہے۔ اگرچہ راہ چلتا ہوا
اوس پر روشن ہے کہ ایک شے نہایت حقیر
میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اوسے اوس
جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے۔ اور
بارہا ایک کنیز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد
کو خریدی گئی۔ اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو
نہیں پوچھتا۔ حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں
سے کوئی حصہ نہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب
تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں تو وہ ثمن
ذات ہی کا ہے۔ جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب
اوصاف نے بڑھا دیا۔ بھلا بتا تو کہ ایک ورق
کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب وغریب نادر
ہو۔ اور ایک شخص اوس علم کا طلبگار ہو۔ اور
اسکی قدر جانتا ہو۔ وہ اُس ورق کو دس ہزار میں خرید لے
تو کیا کوئی بھی خلاف ہے ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے

Marfat.com

بنص القرآن والاجماع من دون نكير ولا نزاع قال تعالى الا ان تكون تجارة عن تراض منكم فهذه العشرة الالاف ما هى ثمن المكتوب فانه لا مالية له اصلاً كما نص عليه فى الهداية وسائر الكتب المعللة وهذا نصها ولا قطع فى سرقة المصحف وان كان عليه حلية

(فائدہ جلیلہ)

الانه لا مالية على اعتبار المكتوب واحرازه لاجله لا للجلد والاوراق والحلية وانما هى توابع ولا فى الدفاتر كلها لان المقصود ما فيها وذلك ليس بمال الا دفاتر الحساب لان ما فيها لا يقصد بالاخذ فكان المقصود الكواغد اهـ ملتقطا ـ فتبين ان الورقة الواحدة هى التى يبلغ ثمنها لما فيها عشرة الاف فاى غرو فى بلوغ قيمة نوط عشرة او اكثر لاجل ما كتب فيه مما استجلب رغبات الناس اليه واى حجر من الشرع عليه ـ وبالجملة فالمسألة اوضح من ان تحتاج الى ايضاح

اسپر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار ومنازعت اجماع قائم ہو ۔ حق عزوجل فرماتا ہے ۔ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری آپس کی خوشی کا ہو ۔ اور یہ دس ہزار اوس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں ۔ کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں ۔ جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں مسائل مع دلائل مذکور ہیں ۔ اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے ۔ قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اگرچہ اسپر سونا چڑھا ہوا ہو

(فائدہ جلیلہ)

اسلئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں ۔ اور اوس کا محفوظ رکھنا اوس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے ۔

یہ چیزیں تو تابع ہیں ۔ اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائیگا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو اون میں لکھا ہے ۔ اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ اون میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اوس کا لینا مقصود ہو ۔ تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے ۔ انتہی ملخصا ۔ تو کھل گیا ۔ کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اوسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی ۔ تو اسمیں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جانے کے باعث لوگوں کی رغبتیں انکی طرف کھنچ گئیں ۔ اور شرع مطہر میں اوسکو کونسی روک ہے ۔ بالجملہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنیکا حاجتمند ہو

Marfat.com

و الی کم تبتغی الصیام وقد اسفر الاصباح

ثم اقول بل حقیقة الامر ان الاموال کما فی البحر وغیرہ اربعة اقسام **الاول** ثمن بکل حال وھو النقدان فانھما اثمان ابدا صحبتھما الباء اولا وقوبلا بجنسھما اولا وعدھما العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منھما فانہ بسبب ما اتصل بہ من الصنعة لم یبق ثمنا صریحا و لھذا یتعین فی العقد و مع ذلک بیعہ صرف یشترط فیہ ما یشترط فی الصرف لانھما خلقا للثمنیة ولا تبدیل لخلق اللہ۔ **والثانی** مبیع بکل حال کالثیاب والدواب فانھا وان صحبتھا الباء وقوبلت بما تشاء لا تثبت دینا فی الذمہ وھذا ھو المعنی بالثمنیة فلا یرد ان فی المقایضة کلا من العوضین ثمن من وجہ ھکذا وجہ ابن عابدین جوابا عن ایراد العلامة الطحطاوی

اقول وفیہ ان المصوغ من الحجرین ایضا لا یثبت

اور کہاں تک توچراغ مانگی جائیگا حالانکہ صبح روشن ہو چکی

ثم اقول۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مال چار قسم ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔ **اوّل** وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے۔ اور وہ سونا چاندی ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہینگے خواہ انکے عوض کوئی چیز بھی یا انہیں کسی چیز کے عوض بیچا کہیں۔ خواہ اپنی جنس سے بدلا جائیں۔ یا غیر جنس سے۔ خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ کہ وہ اوس کاریگری کے سبب جو انہیں ہوئی۔ خالص ثمن نہ رہے۔ ولہٰذا عقد بیع میں متعین ہو جاینگے لیکن باینہمہ انکی بیع شرعًا صرف ٹھیریگی۔ یعنی ثمن کا ثمن کا بیچنا، اور جو شرطیں صرف کے ہیں۔ وہ سب انہیں شرط ہیں کیونکہ چاندی سونا ثمن ہونیکے لئے بنائے گئے اور شئی کی پیدائش نہیں بدل جاتی قسم **دوم** وہ جو ہر حال مبیع ہی جیسے کپڑے اور چوپائے کہ اگرچہ انکے عوض کوئی چیز بیچا کہیں اور انکا مبادلہ کسی شے کیساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہونگے۔ اور ثمن ہونیکے یہی معنی ہیں۔ تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ دونوں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اسمیں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں۔ اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی ◆

اقول اسمیں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا بھی ذمہ

دينا في الذمة بل يتعين في العقود
كما تقدم وعن البحر فان سلم
هذا ورد النقض على ذلك فليتامل
والاظهر عندي الجواب بان
كل سلعة في المقايضة مبيع
ايضا ولا يمكن ان تصير ثمنا
محضا وان كان لها وجهة الى
الثمنية من حيث ان البيع لا يقوم
الا بالبدلين بخلاف القسم الآتي
فانه تارة يصير ثمنا بحتا و
أخرى مبيعا خالصا فمعنى القسمين
انه لا ينفك عنه كونه ثمنا
او كونه مبيعا بشئ من الاحوال
وان اعتراه وجهة اخرى ايضا
في بعض الحال ثم قوله كالثياب
ارسلها ارسالا واقره الشراح
والحواشي والمراد المختلفة افرادها
مالية والا كانت من الثالث
حيث امكن ضبطها بذكر جنس
كقطن وكتان وصنعة كعمل
الشام ومصر ورقة او غلظة
وذرع طولا وعرضا ووزن ان
بيعت به وبذا يجوز السلم فيها

دین نہیں ہوتے - بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے
ہیں - جیسا کہ بحر الرائق سے گذرا - تو اگر یہ تقریر
سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا - فتامل -
اور میرے نزدیک صاف جواب یوں
ہے - کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے
اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی - اگرچہ اوس کا ایک
رُخ ثمنیت کی طرف بھی ہی ہے اِسلئے کہ بیع بغیر
ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہو سکتی - بخلاف
قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے
اور کبھی خالص مبیع - تو ان دونوں قسموں کے
معنی یہ ہیں کہ اوسکا ثمن یا مبیع ہونا کسی
حال اوس سے جدا نہ ہو - اگرچہ بعض اوقات
اسے دوسرا رُخ بھی عارض ہو - پھر وہ
جو کپڑوں کی مثال گذری - مصنف نے
اوسے یوں ہی مطلق چھوڑا - اور شرح اور
حواشی میں اوسے برقرار رکھا - اور مراد وہ
کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہوں
ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ اون کا
ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور
کتان - یا کارخانہ کے ذکر سے - جیسے شام
و مصر کا کام - یا پتلے اور دبیز ہونے یا طول و عرض
کی پیمائش سے یا وزن سے - اگر تول کر بیچے جاتے ہوں
اور اسی بنا پر اون میں بیع سلم یعنی بدھنی جائز ہے

Marfat.com

كما عُرف فی محلہ ✦

وَالثَّالِثُ ما لوصف فی ذاته ثمن تارة و مبيع اخرى ولا اقول كقول التنوير ثمن من وجه مبيع من وجه ليحود حديث المقايضة

[illegible]

اقول وانما زدتُ لوصف فی ذاته احترازا عن القسم الرابع فانه ايضا يصير مرة ثمنا و اخرى لا لا لوصف فيه بل للاصطلاح و عدمه وهذه هی المثليات فانها اما ان تقابل باحد النقدين اولا على الاول مبيعات مطلقا سواء دخلتها الباء اولا و تعينت اولا كقولك بعتك هذا الذهب بكرٍ برٍّ او بهذا الكر فالكر مبيع مطلقا والبيع فی صورة التعيين مطلق وفی غيره سلم يشترط فيه شرائطه وعلى الثانی اما ان تدخلها الباء اولا على الاول اثمان مطلقا تعينت اولا كبعتك هذا الثوب بكرٍ برٍّ او بهذا الكر والبيع مطلق فی الوجهين و الكر يثبت فی الذمة وعلى الثانی ان تعينت فاثمان

جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہو چکا ہے ✦

قسم سوم۔ وہ جنکی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جسکے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہوں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے

[illegible]

اقول میں نے یہ قید کہ اوسکی ذات میں کوئی وصف ہو اسلئے بڑھا دی کہ قسم چہارم نکلجائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں۔ بلکہ اصطلاح و عدم اصطلاح کی بنا پر۔ اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں۔ اب انکا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا اور چیز سے۔ پہلی صورت میں مطلقاً مبیع ہیں۔ چاہے خرید و فروخت میں انکو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا۔ یا ان گیہوں کے عوض بیچا۔ تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہیں تو بیع مطلق ہے اور غیر معین ہیں تو سلم کہ اوسکی شرائط لازم ہونگی۔ اور دوسری صورت میں اونکے عوض کوئی چیز بیچا کہی۔ یا اونکو کسی شے کے عوض بیچا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہونگے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا ان گیہوں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہی ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں - اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے۔
اور بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں۔ تو ثمن ہیں

Marfat.com

كبعتك هذا الكر بهذا الثوب او لا فمبيعات كبعتك كرا بهذا العبد والبيع سلم بشروطه والحاصل ان المثلي ان قوبل بحجر فمبيع مطلقا والا فان دخلته الباء فثمن مطلقا والا فان تعين فثمن او لا فمبيع وهذا ايضاح ما حرر الشامي مع احسن ضبط لا يوجد فيه ٭

والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس فما دام يروج فكثمن والا عاد لاصله ولا شك ان المصطلحين اذا ارادوا ان يجعلوا سلعة ثمنا لا بد لهم ان يرجعوا في تقديرها الى الثمن الخلقي فان ما بالعرض لا يتقوم الا بما بالذات فجعلون اربعة وستين من الفلوس الهندية او احدى وعشرين من الهللات العربية برية - وهكذا في غيرها وهم في ذلك بالخيار يصطلحون كيف يشاؤون اذ لا مشاحة في الاصطلاح وقد كان قبل نحو عشرين

جیسے یُوں کہا۔ کہ مَیں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے۔ اور معیّن نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یُوں کہے۔ کہ مَیں نے اتنے من گیہوں اِس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اوسکی شرائط کیساتھ۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقاً مبیع ہے۔ ورنہ اگر اوسکے عوض بیچا کہیں تو مطلقہ ثمن ہی۔ ورنہ اگر معیّن ہو۔ تو ثمن ہی۔ اور غیر معیّن ہو تو مبیع۔ یہ اوسکا ایضاح جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں ٭

اور قسم چہارم وہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو۔ اور اصطلاحاً ثمن۔ جیسے پیسے۔ تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ہیں۔ ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائینگے۔ اور اصلاً شُبہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں۔ تو اونہیں اوس کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنی ناگزیر ہے۔ کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی کر ہوتا ہے۔ تو ۶۴ ہندی پیسے۔ یا اکیس (۲۱) عربی ہللے ایک روپیے کے قرار دیتے ہیں۔ یُوں ہی اس کے ماسوا ہیں۔ اور اونہیں اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں۔ کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ بیس

سنة في الديار الهندية قسمان
من الفلوس يروجان احدهما
مضروب والآخر قطعة نحاس
مستطيلة الشكل نحو ضعف الفلس
المضروب في الوزن - وكان من
المضروب اربعة وستون بربية
لا تزيد ولا تنقص ومن الآخر
يختلف السعر وربما صار ثمانون
منه بربية الى ان كسد ونفد
فكل ذلك راجع الى الاصطلاح و
لا حجر فيه من جهة الشرع الشريف
اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم
الرابع سلعة باصله لانه قرطاس
وثمن بالاصطلاح لانه يعامل به
معاملة الاثمان وهذه الرقوم
المكتوبة عليه تقديرات ثمنية
بالثمن الاصلي كما علمت فهو
اصطلاح لا مضايقة فيه ولا يسأل
له عن وجه وتوجيه وقد تبين
بهذا التقرير والحمد لله الفتاح
القدير حقيقة النوط وانما سائر
الاحكام بها منوط فاذن لا يعتري
ان شاء الله تعالى في ابانة شئ من

برس پہلے ہندوستان میں دو طرح
کے پیسے رائج تھے۔ ایک سکہ دوسرا ڈبل،
دوسرے تانبے کے لمبے لمبے ٹکڑے
وزن میں ڈبل پیسے سے قریب دونے کے
(منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے
نہ زائد ہوتے نہ کم۔ اور منصوری کا بھاؤ
گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ اور کبھی ایک روپیہ
کے اسی ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ چلن
نہ رہا۔ اور جاتے رہے۔ تو یہ سب اصطلاح
کی جانب راجع ہے۔ اور اس میں شرع مطہر
کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ
معلوم ہولیا۔ تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے۔
اصل میں یہ ایک متاع ہے۔ اس لئے کہ
ایک پرچہ کاغذ ہے۔ اور اصطلاح میں ثمن
ہے۔ اس لئے کہ اوس کے ساتھ ثمن کا سا
معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقمیں کہ اوس پر
مرقوم ہیں۔ یہ اوس کی ثمنیت کا ثمن
اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا
تو ایک اصطلاح ہے۔ اوس میں کچھ
مضایقہ نہیں۔ نہ اوس کی وجہ و توجیہ
دریافت کی جائے گی۔ بحمد اللہ القدیر اس تقریر
سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اور تمام احکام
اسی پر مبنی تھے۔ تو ان شاء اللہ تعالیٰ ابکی تھوڑی

الاحکام اشکال - والحمد للہ المھیمن المتعال ٭

اما السوال الاول

[illegible]

فقد بان الجواب مع المزید ولا احتیاج الی ان نزید

وَ امّا الثّانی

[illegible]

فَاقولُ نَعَمْ تجب فیہ الزکوٰۃ بشروطھا لما علمت انہ مال متقوم بنفسہ ولیس سند او تذکرۃ للدّین حتّٰی لایجب ادائُھا مالم یقبض خمس نصاب ولاحاجۃ فیہ الی نیّۃ التجارۃ لانّ الفتوٰی علٰی انّ الثّمن المصطلح تجب فیہ الزکوٰۃ ما دام رائجًا بل لا انفکاک لہ عن نیّۃ التجارۃ لانّہ لاینتفع بہ الا بالمبادلۃ کما لایخفٰی فی فتاوٰی قارئ الھدایۃ الفتوٰی علٰی وجوب الزکوٰۃ فی الفلوس اذا تعمل بھا اذا بلغت ما تساوی مائتی درھم من الفضۃ او عشرین مثقالًا من الذّھب اھ والقوط المستفاد

کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئیگی - اور سب خوبیاں اُس کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے - بلندی والا ٭

جواب سوال اوّل

ملخص جواب سوال اول

مع شئے زائد واضح ہولیا - اور بڑھانے کی ضرورت نہیں ٭

جواب سوال دوم

ملخص جواب سوال دوم

ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے - اس لئے کہ آپ نے جان لیا - کہ وہ خود قیمتی مال ہے - دستاویز یا رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصّہ قبضہ میں نہ آئے - زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو - اور نوٹ میں نیّت تجارت کی بھی حاجت نہیں - اسلئے کہ فتوٰے اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جبتک رائج ہے زکوٰۃ اوس میں واجب ہے - بلکہ نوٹ کو نیّت تجارت سے اصلًا جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اوس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیساکہ ظاہر ہے فتاوٰے علامہ قاری ہدایہ میں ہے - فتوٰی اس پر ہے کہ پیسے جبتک رائج رہیں - اونپر زکوٰۃ واجب ہے - جبکہ دوسَو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت پہنچے ہوں - انتہٰی - اور نوٹ جو

قبل تمام الحول يضم الى نصاب من جنسه او من احد النقدين باعتبار القيمة كاموال التجارة ‍

سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے۔ وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائیگا۔ جیسا تجارتی مال کا حکم ہے ‍

واما الثالث

نوٹ مہر میں

فاقول نعم يصح مهرا لما علمت اذا كانت قيمته وقت العقد سبع مثاقيل من فضة فان اقل بتم كما في العروض ‍

جواب سوالِ سوم

نوٹ مہر میں ہو سکتا ہے

اقول ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اوسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقتِ عقد اوسکی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔ اگر کم ہوگی۔ تو پوری کیجائیگی جس طرح اسباب میں ہو ‍

واما الرابع

نوٹ چرانے پر قطع

فاقول يجب القطع بشروطه من تكليف ونطق وبصر وحرز تام وغيرها اذا بلغت قيمته كلا يوفى السرقة والقطع عشرة دراهم مضروبة جيادا وذلك كله لما بينا انه مال متقوم بنفسه ‍

جواب سوالِ چہارم

نوٹ کی چوری میں قطع ید

نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائیگا جبکہ اوسکی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو۔ گونگا نہ ہو اندھا نہ ہو۔ نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو۔ اور اسکے سوا جو شرائط ہیں۔ اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اوسکی قیمت دس دن درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے۔ اور یہ سب اوسی بنا پر کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے ‍

واما الخامس

نوٹ کا ضمان مثل سے

فاقول نعم يضمن بالاتلاف بمثله ولا يجبر المتلف على اداء الدراهم خاصة لان النوط

جواب سوالِ پنجم

نوٹ تلف کرنے پر ضمان نوٹ ہی

اقول ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کرے تو اوسکے تاوان میں نوٹ ہی دینا آئیگا۔ اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا کہ نوٹ

Marfat.com

عددی غیر متفاوت اصلًا اذا اتحد دار ضربه نعم اذا اختلفت ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القيمة وذلك ان نوط الٰہ اباد او الٰہ اباد وکلکتة یروج فی ممالک الھند المشرقیة الشمالیة اکثر مما یروج نوط بنبئی و بالعکس وربما یشتری نوطا مکان فی اخر بنقص عدة اٰنات من رقمه المکتوب علیه فلا یعد احدھما مثل الاٰخر الا اذا استویا رواجًا ۔

وَاَمّا السّادس

(حاشیہ: هل یجوز بیع النوط بازید من رقمه)

فاقول نعم یجوز کما تعامله النّاس فی عامّة البلاد وقد علمت تحقیقه **تنبیه** کنتُ قنعتُ فی الجواب بھذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصدر فاذا انھیتُ الرّسالة بلغنی عن بعض الافاضل[1] انه حفظه الله تعالٰی قال مذاکرة لا مجادلة ان العلامة ابن عابدین ذکر فی ردّ المحتار

وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دونوں میں اصلًا تفاوت نہیں سمجھا جاتا جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں۔ ہاں ٹکسال جب مختلف ہو۔ تو اگرچہ سلطنت ایک ہو۔ اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نوٹ الٰہ آباد یا الٰہ آباد کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے۔ و بالعکس۔ اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے۔ تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں ۔

جواب سوال ششم

(حاشیہ: کیا نوٹ کی بیع کمی بیشی پر جائز ہے)

اقول۔ ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عملدرآمد ہے۔ اور تم اوس کی تحقیق جان چکے۔ **تنبیہ**: میں نے جواب میں اسی پر اکتفا کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اوس سے امر واضح ہو چکا تھا۔ جب میں رسالہ ختم کر چکا مجھے بعض علماء[1] سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردّ المحتار میں

[1] یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲

Marfat.com

تفريعًا على ان من شروط انعقاد البيع كون المعقود عليه مالا متقوما انه لم ينعقد بيع كسرة خبز لان ادنى القيم التي تشترط لجواز البيع فلس اه ومعلوم ان هذا القدر من القرطاس لا يساوي فلسا اي فيكون البيع باطلا غير منعقد اصلا فضلا عن الحرمة والكراهة

اقول وبالله التوفيق هذا القائل ارتقب ان يطالع رسالتي ولذلك وددت انه سلمه ربه طالعها واطلع على ما فيها والجواب ظاهر بملاحظة قوله لا يساوي فلسا فبون بين بين لا يساوي ولم يكن يساوي لانه الان يساوي مائة والفا والنظر للحال لا للاصل۔

مطلب: ينظر فى الفقه الى الحال دون الاصل

الا ترى ان بيع اواني الخزف والطين كبارها وصغارها من الحب والجفنة الى نحو راس الشيشه شائع ذائع بين عامة المسلمين ولم ينكره احد مع ان اصله تراب والتراب ليس بمال۔ بل لو نظر للاصل لعادت مسئلة الفلس المتمسك بها على نفسها

اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی۔ کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے۔ کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے۔ انتہی۔ اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں۔ تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے۔ کہ اصلاً ہو ہی نہیں سکتی نہ کہ حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار۔

اقول وباللہ التوفیق۔ ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی۔ کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے۔ اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود انکے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں الٹا کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی۔

(ت) فقہ میں حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ اصل

کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے اور بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج و معروف ہے۔ اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا۔ حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے۔ اور مٹی مال نہیں۔ اگر اصل کو دیکھیں۔ تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا

Marfat.com

بالنقص لما علمت ان قطعة نحاس بوزن فلس لا تساوی فلسا قط۔ بل لا تبلغ نصفه ایضا ولذا لو لعت الحجازیون باصطنع قوالب کقالب دار الضرب یذیبون النحاس ویقلبونه فیها فیصیر فلوسا و یربحون به ضعف ما خسروا و یقولون انه انفع من ضرب الربابی فیا انتظر للاصل لا یساوی الفلس نفسه فلسا فلا یکون مالا متقوما فکیف یکون قیمة وثمنا۔ وَمن تأمل حدیث ورقة علم الذی قدمنا علم ان الشئ انما ینظر الیه بما هو علیه الآن لا بما قد کان الا تری ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الی انه فی الاصل من الذین قال الله تعالیٰ فیهم هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا۔ وما ذاک لانه بحدوث وصف فیه صار متقوما عند الله وعند الناس بعد ان لم یکن وکذلک ورقة العلم لما تجدد فیها من کتابة ذلک العلم

ناقص ہوگا۔ اسلئے کہ تمہیں معلوم ہو چکا کہ تانبے کا ٹکڑا جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو۔ ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے بیاکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اوس میں ڈالتے ہیں۔ کہ پیسہ ہوجاتا ہے اور اسمیں جتنا خرچ ہوتا ہے۔ اُس سے دُونا نفع مل جاتا ہے۔ اور اُسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں۔ تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسہ کا نہیں تو مال متقوم نہ ٹھہرا۔ تو پھر کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے۔ اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اوسے دیکھیگا۔ یقین کرے گا۔ کہ شئے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے۔ نہ حالت گزشتہ۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ شرع میں عقل میں۔ اور عُرف میں عالِم کی تعظیم ہے۔ اور اس امر پر نظر نہیں۔ کہ وہ اصل میں اون لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزّ وجل نے فرمایا کہ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے

اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ تو یہی سبب ہے کہ اوسمیں ایک ایسا وصف پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق اور مخلوق سب کے نزدیک اُسکی عزت ہوگئی۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور ایسے ہی وہ علم کا ورق اسوجہ سے کہ اُس میں وہ علم لکھ دیا گیا

Marfat.com

وَكذلك النوط لما حدث فيه بذاك الرقم والطبع . ما استجلب الرغبات اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع ويجرى فيه البذل والمنع

[illegible]

وَلا يتمر للايراد بانه لا يمشى فى كل البلاد فان هذا ليس من لوازم المالية عند احد بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة الا ترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ههنا لا تروج فى الهند اصلاً وكذلك لا تمشى فلوس الهند هنا . بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا يمنع المشى ولا يوجب الكساد بل قد اصطرفت انا فى ذى الحجة هذا بهذا البلد الامين نوطا افرنجيا معلما برقم خمسمائة ربية بثلثة وثلثين جنيها وخمس ربابى و هذا ثمنه سواء بسواء فالجنيهات بادبعمائة وخمس وتسعين وهى مع الخمس خمس مائة ربية

آور ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہوگئی جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اُس کی طرف کھینچ دیا . اور طبیعتیں اُسکی طرف مَیل کرنے لگیں . اور اُسمیں دینا اور روکنا جاری ہُوا

[illegible]

آور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا . کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم نہیں . بلکہ سکّہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے . کیا نہیں دیکھتے . کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں . ہند میں اصلاً نہیں چلتے . اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے . بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے . اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں . نہ اس سے بے رواجی لازم ہے . بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا . اور یہ اوس کا پُورا ثمن ہُوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں . اور وُہ اوان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو روپے ہو گئے .

Marfat.com

وقد قال فی الکفایۃ اوائل باب البیع
الفاسد ان صفۃ المالیۃ للشیٔ
بتمول کل الناس او بتمول البعض
ایاہ اھ ومثلہ فی فتح القدیر وفی
ردالمحتار عن البحرالرائق عن الکشف
الکبیر المال ما یمیل الیہ الطبع
ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ والمالیۃ
تثبت بتمول الناس کافۃ او بعضھم اھ
فتبین ان الفرع المذکور المتمسک
بہ لا مساس لہ بما نحن فیہ۔
ولکن العبد الضعیف یحب
ان یکشف الحجاب عن حالہ
ایضا کیلا یغتربہ فی
محل اخر مع ما فیہ من
تحجیر ما وسعہ الشرع المطھر
فاقول وبہ استعین
اصل الفرع للقنیۃ فردالمحتار
نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنھا و
تبعہ تلمیذہ العلامۃ الغزی وبالغ
حتی ادخلہ فی متنہ فی
متفرقات البیوع قبیل الصرف
مع خلو اصلہ اعنی الغرر والدرر
عنہ وقد ردہ شارحہ العلامۃ العلائی

اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا
کہ شئے کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اوسے
مال بنائیں۔ یا بعض انتہی۔ اور ایسا ہی فتح القدیر
میں ہے۔ اور ردالمحتار میں بحوالہ بحرالرائق
کشف کبیر سے نقل کیا۔ کہ مال وہ ہے۔ جس
کی طرف طبیعت میل کرے۔ اور وقت حاجت
کے لئے اُسکا اٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور مالیت یُوں
ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اوسے مال
بنائیں انتہی تو ظاہر ہوگیا کہ وہ جزیہ کا جس سے اون عالم نے
تمسک کیا۔ ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا
مگر بندہ ضعیف دوست رکھتا ہے کہ
اوس مسئلہ کا حال بھی کھولدے تاکہیں
دوسری جگہ کوئی اوس سے دھوکا نہ
کھائے۔ باوصف اُس دقت کے جو اوس میں ہے
کہ اُس نے ایسی چیز کو تنگ کر دیا جسے شرع مطہر نے
وسیع فرمایا تھا۔ **فاقول وبہ استعین**
اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے۔ ردالمحتار
نے اوسے بحر سے نقل کیا۔ اور بحر نے قنیہ سے۔ اور
اُن کے شاگرد علامہ غزی نے انکی متابعت کی۔ اور
یہانتک مبالغہ کیا کہ اوس مسئلہ کو اپنے متن
تنویر الابصار کی متفرقات البیوع کتاب الصرف سے کچھ
پہلے داخل فرمایا علاوہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اُس سے
خالی ہے۔ اور اُس کے شارح علامہ علائی نے

Marfat.com

الى القنية بل اعترف به المصنف نفسه فى شرحه منح الغفار فقال بعد ايراده متنًا نقله فى القنية ايضًا اھ اى كما نقل المسئلة قبله فيها وهى صح بيع حمام كثير وهبته والقنية مشهورة بضعف الرواية وصرحوا انها اذا خالفت المشاهير لم تقبل بل قد نصوا انها اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم يعضدها نقل معتمد من غيرها والعبرة بالمنقول عنه لا بالناقل وبكثرة النقول لا تندفع الغرابة اذا لم يكن مستندهم الا واحدا كما بينت كل ذلك فى آداب المفتى سميته فصل القضاء فى رسم الافتاء وحكم فى الظهيرية استحباب القيام بعد سجود التلاوة مثل ما قبله ونقله عنها فى التتارخانية والغنية والمضمرات وعنها فى البحر ومشى عليه فى الدر وغيره ومع ذلك حكم فى البحر انه غريب قال الشامى وجه غرابته انه انفرد بذكره صاحب الظهيرية ولذا عزاه من بعده

مطلب العبرة بالمنقول عنه

اوسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا۔ بلکہ خود مصنف نے اوس کی شرح منح الغفار میں اُس کا اعتراف فرمایا متن کی اُس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا۔ انتہی یعنے جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قُنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو۔ اوس کی بیع وہبہ صحیح ہے۔ اور قُنیہ مشہور ہے کہ اوسکی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔ اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہوگی۔ بلکہ نص فرمایا ہے کہ قُنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہوگی جبتک اوسکی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہے نہ ناقل کا۔ اور نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ اون سب کا منتہیٰ ہو۔ جیسے کہ مَیں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اُس کتاب میں کر دیا جو آداب مُفتی میں لکھی جسکا نام میں فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا۔ اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدۂ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ تاتارخانیہ اور غُنیہ اور مضمرات نے نقل کیا۔ اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے۔ باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا۔ اُسکی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا۔ اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط

اعتبار منقول عنہ کا ہے

Marfat.com

اليها فقط اه

مطلب الغنية ليست كالظهيرية

وَانتَ تعلم ان الغنية الغنية لم يرتق من النقول هذا القدر ايضًا ولا القنية كالظهيرية فانّى تغرب عنه الغرابة و يا ليته لم يكن الاغريبًا ليكون كالشاذ لكنه كالمنكرات كلتا المخالفتين تقدّ وقته۔ مخالفة المشاهير و مخالفة قواعد الشرع المنير اما الاولى فلقد كان ناهيك فيها قول الفتح والشرنبلالى والطحطاوى ورد المحتار وغيرها من معتمدات الاسفار لو باع كاغدة بالف يجوز وجزاهم الله الحسنٰى و زيادة على زيادة ثناء الواحدة فى كاغدة لكن ههنا شئ اخر اجل واكبر لا يرد ولا يرام ولا يمس غبارة الاوهام وهو اجماع ائمتنا جميعًا فى الروايات الظاهرة عنهم و اطباق متون المذهب و شروحه وفتاواه على جواز بيع تمرة بتمرتين وجوزة بجوزتين و زاد فى الفتح والله ابرة بابرتين

اوسی کی طرف اوسے نسبت کیا۔ انتہٰی۔

غنیہ ظہیریہ کے مثل نہیں

اور تو جانتا ہے۔ کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں۔ اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے۔ تو غرابت اوس سے کہاں جائیگی۔ اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا۔ تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو حدیث منکر کے ہے اسلئے کہ دونو مخالفتیں اوس کی نقد وقت ہیں۔ کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا۔ کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردّالمحتار وغیرہا معتمد کتابوں میں فرمایا۔ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ تو جائز ہے۔ تو اللہ تعالٰے اونہیں بھلائی اور اوس سے زیادہ جزا دے۔ کہ اونہوں نے کاغذ میں تلنے وصف بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے۔ نہایت جلیل وعظیم کہ نہ ردّ ہو سکے۔ نہ اوسپر کوئی آنکھ اُٹھا سکے۔ نہ اوہام اس کی گرد پائیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جو اُن سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوی مذہب کا اتفاق ہو کہ ایک چھوارا دو چھواروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی

وكلّ احد يعلم ان ليس شئ منها
يساوي فلسا ففي بلادنا تكون
عدة صالحة من التمر بفلس وهو
هٰهنا ارخص وكذلك الجوز
وهو ارخص في بلادنا وثمه تجد
الابر بفلس من ثمان الى خمس و
عشرين فهذه مخالفة بيّنة
لجميع المشاهير بل لنصوص جميع
ائمة المذهب والمحقق حيث
اطلق وان رجح رواية المعلى عن
محمد بكراهة تمرة بتمرتين لكنه
لاجل التفاضل لا لان تمرة لا
يساوي فلسا فلو باع تمرة من البرني
بتمرة من الجنيب مثلا لم تمسه
رواية المعلى ولا ترجيح المحقق
ثم الرواية ايضا لا تقول الا بالكراهة
فاين البطلان وعدم الانعقاد
الذي كنتم تدعون واما الثانية

(مطلب) ذکر بالعمل

فاقول اكثر تعيش الفقراء
في مملكة الهند على كبرها
واتساعها رقاق عمادتها عرضا
من ثمان درج شمالية عن
خط الاستواء الى خمس وثلثين

اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک
پیسہ کی نہیں ہوتی۔ ہمارے شہروں میں معقول گنتی
کے چھوہارے ایک پیسہ کے بکتے ہیں اور یہاں
اور بھی سستے ہیں۔ اور ایسے ہی اخروٹ۔ اور وہ
ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں۔ تو ہندوستان
میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لیکر پچیس ۲۵ سوئیاں تک
ملتی ہیں۔ تو اس مسئلہ تنبیہ کی یہ صریح مخالفت
ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب کے
اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد
سے امام معلی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہارے
کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے۔ مگر یہ کراہت
ایک جانب زیادتی کے سبب سے ہے۔ نہ اس لئے کہ
چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا نہیں ہوتا۔ تو اگر
مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک
چھوہارے سے بیچے۔ تو اوس سے نہ روایت معلی
کو کچھ تعلق ہوگا۔ نہ ترجیح محقق کو۔ پھر وہ روایت بھی تو
اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے۔ یہ کہ بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہو جس کا
تمہیں دعویٰ تھا۔ وہ کہاں گیا۔ یہ تھی دوسری مخالفت

(فائدہ) ہند میں اکثر غریبوں کا

فاقول۔ ملک ہند کہ باوجود کہ اس قدر کبیرہ
وسیع ہے جس کا عرض خط استوا سے شمال
کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس ۳۵

Marfat.com

درجة وطولها من ست وستين درجة شرقية (عن قرينص الى اثنتين و تسعين درجة) انما هو بالمبايعات باجزاء فلس نصف و ربع و ثمن و غيرها فرب فقير يشتري لادامه شيئا من البقول بنصف فلس ويصب فيه دهن الخيرج بنصف فلس والتوابل الثلث جميعا بربع فلس والثوم و البصل معا بربع فلس وكذا الملح بربع فلس فتتهيئو له الادام في فلسين الا ربعا ويأكله غداء وعشاء ويشتري لسراجه الدهن بنصف فلس يكفيه من المساء الى قريب نصف الليل وقربة كبيرة من الماء العذب بنصف فلس و قد كانت قبيل هذا بثلث فلس وتجد علبة الكبريت بنصف فلس ويشتري لعياله من الذ فواكه الهند المشهورة عند العرب باسم العنب بفتح العين وسكون النون وبالفارسية انبه وبالهندية آم بجملة كثيرة بنصف فلس وكذا من الجامون وتمر الهندي بربع فلس

درجے تک ہے۔ اور طول گرینج سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اوسی خرید فروخت سے ہے۔

جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کیلئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں۔ اور اسمیں دھیلے کا تیل ڈالتے ہیں۔ اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے۔ اور چھدام کا نمک تو پونے دو پیسے میں اوسکی ہانڈی تیار ہوجاتی ہے۔ اور اوسے صبح و شام دو وقت کرکے کھالیتا ہے۔ اور اپنے چراغ کے لیے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اوس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو۔ اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں۔ اور دیا سلائی کی ایک ڈبیہ تمہیں دھیلے کو مل جاتی تھی۔ اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میوؤں میں سب سے مزیدار میوہ (جسے اہلِ عرب عنب (بفتح عین و سکون نون) کہتے ہیں۔ اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم) بہت سے ایک دھیلے کو۔ اور ایسے ہی جامن اور تمر ہندی یعنی املیاں چھدام کو

Marfat.com

وان كان متعودا بالتاول والتتن
فيكفيه ليوم بليلة الورق بنصف
فلس والفوفل والكات والتنباك
الماكول كل بربع ربع فتنقضى حاجة
يومه فى فلس وربع وان كان يشرب
الدخان فيكفيه التتن بنصف
فلس وامثال ذلك اشياء كثيرة
تباع باجزاء الفلس حتى الثمن و
نصف الثمن ولولا ذلك لضاق
الامور وثقل على اخفاء ذات اليد
بحيث لا يطيقون ولو ابطلنا
تلك البياعات الشائعة فى الاف
مؤلفة من المسلمين والزمناهم
ان لا يشتروا شيئا باقل من فلس
قط مع ان حاجاتهم تندفع بالربع
وبالثمن لكان هذا من وضع الاصر
عليهم وما جاءت هذه الشريعة
السمحة السهلة الغراء الا برفعة
وربما لا يجدون هذا القدر من
الفلوس فات الادام الذى كان
مهيأ فى فلس واحد وثلثة ارباع
فلس الان لا يتاتى الا فى ثمانية
فلوس والتاول التام فى فلس وربع

اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے۔ تو اوسے
ایک رات دن کے لئے کفایت کریں گے
دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا۔ اور
کھانے کا تمباکو چھدام کے۔ تو اوسکی
ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی
اور اگر حقہ پیتا ہو۔ تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے۔
اور اسی طرح بہت سی چیزیں پیسہ کے
حصّوں سے بکتی ہیں۔ یہاں تک کہ دمڑی
اور آدھی۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو معاملہ تنگ
ہو جائے۔ اور کم استطاعت والوں پر ایسا
گراں گذرے۔ کہ اوٹھا نہ سکیں۔ اور یہ بیعیں
کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں۔ اگر
ہم باطل کردیں۔ اور اُن پر لازم کریں۔ کہ
کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ
اُن کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری
ہو جاتی ہیں۔ تو یہ اُن پر بھاری بوجھ ڈالنا
ہوگا۔ اور یہ روشن۔ و نرم اور آسان
شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے
کے لئے کو۔ بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے
اونہیں ملیں گے بھی نہیں۔ اس سے کہ وہ
سالن جو پونے دو پیسے میں طیار ہوتا تھا۔
اب وہ آٹھ سے کم میں طیار نہ ہوگا۔ اور
پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا

لا يلتزم إلا في اربعة فلوس وقس عليه
فاذا المريد لإدامه إلا فلسين
والزمتموه بثمانية فماذا تأمرون
أيكتفي بسف الدقيق او قضم
خبز الشعير وحده بدون ادام
يصلحه ويسيغه ويعين على
هضمه والمعتادون بالإدام وهم
الناس كلهم اوجلهم لو اكتفوا
بهذا لم يلائمهم واورث اسقاما
فيهم فان ترك العادة عداوة
مستعادة أم يتكفف والتكفف
ذل وحرام أم يغصب وفي الغصب
اشد الغضب والانتقام - أم
يؤمر البياعون والبقالون والسقاؤن
ان يعطوه جميع حاجاته مجانا
لانها لا تساوي فلسا وما لا
يساوي فلسا فليس بمال ولا قيمة
له فهم كيف يرضون بهذا وإن
رضوا فلا ترجيح لفقير على فقير
فليعطوا كلا حوائجه فتذهب متاجرهم
بلا شئ فاذن لا سبيل الا فتح
باب البيع وقد فتحه القرآن
بقوله تعالى مطلقا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

اب ایک آنہ میں ہوگا - اور اسی پر قیاس کرو
تو وہ جب اپنی ہانڈی کیلئے دو پیسے سے زائد نہ
پائے۔ اور تم دو آنے او سیر لازم کرو۔ تو بتاؤ۔ کیا کرے
آیا روکھا آٹا پھانکے - یا جَو کی خشک روٹی چبائے
جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو۔ کہ اسکی اصلاح
کرے۔ اور اُسے نگلنے کے قابل بنائے۔ اور اس کے
ہضم پر اعانت کرے۔ اور جنہیں سالن کی عادت پڑی
ہوئی ہے۔ اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر
قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے۔ اور انہیں بیماریاں
پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا
ہے۔ یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے۔ اور بھیک مانگنا
ذلت و حرام ہے۔ یا دوسرونکا مال چھین لے۔ اور
چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔ یا بیچنے والوں
اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائیگا۔ کہ
اُنکی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں
اسلئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں۔ اور جو
ایک پیسہ کی نہیں۔ وہ مال نہیں۔ اور نہ اسکی کوئی
قیمت۔ تو بیچنے والے اسپر کیونکر راضی ہونگے اور اگر
راضی ہوجائیں۔ تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح
نہیں۔ تو چاہیے کہ ہر ایک کو اسکی ضروریات مفت
دیں تو انکی تجارتیں یونہی جاتی رہیں۔ تو ثابت ہوا کہ کوئی رستہ
نہیں بجز اسکے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے۔ اور بیشک قرآن عظیم نے
اُسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے۔ کہ حلال کی اللہ تعالیٰ نے بیع

Marfat.com

وقوله تعالى الا ان تكون تجارة عن
تراض منكم وما كان شرع البيع
الا لدفع تلك الشناعة ففي تحجيره
وقد وسعه الله اعادة لها وعود
على مقصود الشرع بالنقض قال
المحقق في الفتح لو لم يشرع البيع
سببا للتمليك في البدلين لاحتاج
ان يأخذ على التغالب والمقاهرة
او السؤال والشحاذة او يصبر
حتى يموت وفي كل منهما
ما لا يخفى من الفساد وفي
الثاني من الذل والصغار ما
لا يقدر عليه كل احد ويزري
بصاحبه فكان في شرعيته بقاء
المكلفين المحتاجين ودفع
حاجاتهم على النظام الحسن اه
ومعلوم ان الشرع لم يحد
في هذا حدا انما احل
البيع وهو مبادلة مال بمال الخ
والمال كما مر ما يميل اليه
الطبع ويمكن ادخاره لوقت
الحاجة وهذا صادق قطعا
على ما قصصنا مما يساوي

اور اس ارشاد سے مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری
آپس کی رضامندی کا۔ اور بیع کا مشروع کرنا
انہی قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا۔ تو اسکے تنگ
کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اُسے واسع فرما چکا
اُنہی قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع
پر اُسکے توڑنے کیساتھ عود کرنا ہے۔ محقق نے فتح القدیر
میں فرمایا۔ اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب
بنا کر جائز نہ کی جاتی۔ تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی
یا دھینگا دھینگی لیتے۔ یا بھیک مانگتے۔ یا آدمی صبر کرتا
یہاں تک کہ مر جاتے۔ اور ان سب باتوں میں کھلا
ہوا فساد ہے۔ بھیک میں ذلت و خواری ہے
جس پر ہر شخص قادر نہیں۔ اور آدمی کو حقیر کرتی
ہے۔ تو بیع کے مشروع کرنے میں محتاج
مکلفوں کی بقا ہے۔ اور عمدہ انتظام
کے ساتھ اُن کی حاجتوں کا پورا کرنا ہے
انتہیٰ۔ اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے
اس بارے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی۔
بس بیع حلال کی ہے۔ اور وہ ایک
مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے۔ الخ
اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی
طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کیلئے اس کا
اٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور یہ تعریف یقیناً ان
چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو

نصف فلس و رُبعہ فلیجاب ان لا یکون الّا بفلس لا یکون الّا تحکّما و زیادۃ فی الشرع فکیف یقبل ثمّ لعلّ لقائل ان یّقول لم یأت الشرع بتقدیر الفلس وھو مختلف باختلاف الزمان والمکان ولا سبیل الی اعتبار کلّ فی محلّۃ لما تقدّم ان المالیۃ تثبت بتموّل البعض فوجب الفحص کلّ حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیہ حرج والحرج مدفوع بالنصّ وقال فی الکفایۃ اوّل البیع الفاسد قد تثبت صفۃ التقوم بدون المالیۃ فانّ حبّۃ من الحنطۃ لیست بمال حتّی لا یصح بیعھا وان ابیح الانتفاع بھا شرعًا لعدم تموّل الناس ایاہ ام ومثلہ فی الکشف الکبیر والبحر الرائق و ردّ المحتار وقال فی الفتح مکان حبّۃ حبّات ولم نر لاحد منھم ذکر ان مادون مایساوی فلسا

[illegible]

لیس بمال وکان مبنی القرع علی انّہ لم یکن فی زمنہ ثمن دون الفلس

جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں۔ تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہو سکیگا مگر زبردستی اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو۔ پھر شاید کہنے والا کہہ سکے۔ کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں۔ اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے بدلتا ہے۔ اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا۔ کہ مالیت بعض کے مال جاننے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تو واجب ہوگا کہ ہر وقت اسکی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کونسا ہے اور اس میں حرج ہے۔ اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فافہم اور بیشک کفایہ کے شروع باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونیکی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہانتک کہ اسکی بیع صحیح نہیں۔ اگرچہ اوس سے نفع حاصل کرنا شرعًا جائز ہے۔ اسلئے کہ لوگ اوسے مال نہیں سمجھتے تھے اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق اور ردّ المحتار میں ہے۔ اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا۔ اور ہم نے اون میں سے کسی کو یہ ذکر فرماتے نہ دیکھا کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز

[illegible]

مال نہیں۔ اور شاید اس کلیہ کی بنا اس پر ہو کہ اون کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا۔

Marfat.com

أو لم يعده في تقديرات الشرع
نحكم بان ما دونه ليس بشيء -
كما حكم في الاسرار بان ما
دون الحبة من الذهب والفضة
لا قيمة له كما نقل عنها في الفتح
لانهم لم يعرفوا لهما مقدارا
دون الحبة وقد عرفت في ديارنا
الى ثمن حبة وقيمة ذهب يساوي
ثمن حبة في بلادنا الان فلسان
اي نحو هللة والحدة ههنا وهو
لا شك مال متقوم فكيف بما
فوقه مما يساوي ربع حبة و
نصفها وازيد منه الى حبة و
كما حكم كثيرون بان ما دون
نصف صاع خارج عن المعيار فيجوز
فيه التفاضل مع اتحاد الجنس
وعليه تتفرع مسئلة حفنة بحفنتين
وقد رده المحقق في الفتح قائلا
لا يسكن الخاطر الى هذا بل
يجب بعد التعليل بالقصد
الى صيانة اموال الناس تحريم
التفاحة بالتفاحتين والحفنة
بالحفنتين اما ان كانت مكاييل

یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے
اُن میں پیسے سے کم نہ پایا۔ تو یہ حکم لگا دیا۔ کہ ایک
پیسے سے کم کی جو چیز ہو۔ وہ کچھ نہیں۔ جیسے اسرار
میں حکم فرمایا۔ کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم
ہو۔ اُس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ اُنسے فتح القدیر
میں نقل فرمایا۔ اسلئے کہ اون علماء نے چاندی
سونے کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور
ہمارے شہروں میں اسکا اندازہ رتی کے آٹھویں
حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے۔ اور آجکل
ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے
یعنی یہاں کے ایک ہللہ کے قریب۔ وہ بلاشبہ قیمت والا
مال ہے۔ نہ کہ وہ جو اوس سے بھی زیادہ ہے۔ جو
پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو۔ ایک
رتی تک۔ اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا۔ کہ
نصف صاع سے جو کم ہو۔ وہ اندازہ سے باہر ہے۔ تو اُس
میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کیساتھ بیچنا جائز
ہے۔ اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے
بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے۔ اور محقق نے فتح القدیر میں
اسکا رد کیا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان
نہیں ہوتا۔ بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ
رکھنا ہے تو اسپر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب
کے بدلے ایک سیب۔ اور دو لپ کے بدلے
ایک لپ کا بیچنا حرام ہو۔ اگر نصف سے

Marfat.com

اصغر منها کما فی دیارنا من
وضع رُبع القدح و ثمن القدح
المصری فلا شك وکون الشرع لم
یقدر بعض المقدرات الشرعیّة
فی الواجبات المالیّة کالکفارات
وصدقة الفطر باقل منه لا
یستلزم اهدار التفاوت المتیقّن الخ
واقرہ فی البحر والنهر والشرنبلالیّة
والدر والحواشی وغیرها وهو
حسن وجیه کذلك نقول
فههنا یجب بعد تعریف المال بما
مر ان تکون کل ما ذکرنا مما لا
یساوی فلسا مالا متقوما اما ان
کانت اثمان اصغر من فلس کما فی
دیارنا من وضع رُبع الفلس وثمن
الفلس فلا شك وکون الشرع لم یذکر
مادون فلس لا یستلزم اهدار المالیّة
المتیقنة ہٰذا ما عندی والعلم
بالحق عند ربی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

وَ اَمَّا السَّابِعُ

[illegible]

فاقول قد اذنالك انه ثمن
اصطلاحی فاستبداله بالثوب

چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیارِ مصر
میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے
جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے
واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں جو اندازے
مقرر فرمائے ہیں۔ اُن میں نصف صاع سے کم کوئی انداز
نہ رکھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً
معلوم ہے۔ بے اثر کر دیا جائے۔ الخ
اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر اور شرنبلالیہ اور دُرِ مختار
اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور
موجہ کلام ہے۔ ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب
مال کی تعریف وہ ٹھہری۔ جو اوپر گزری۔ تو واجب
ہے۔ کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ
تھیں سب قیمت والے مال ہوں۔ تو اگر پیسہ سے چھوٹے
ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام
اور دمڑی مقرر ہیں۔ جب تو شک نہیں۔ اور یہ کہ
شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا۔ تو اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً معلوم ہے باطل
کر دی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم
میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جواب سوال ہفتم

[illegible]

اقول۔ ہم تمہیں بتا چکے۔ کہ نوٹ ثمن
اصطلاحی ہے۔ تو کپڑے سے اُس کا بدلنا

Marfat.com

لا يكون مقايضة بل بيعًا مطلقًا ولا يتعين النوط بل يلزم مثلہ فی الذمة كالفلوس ۔

وَ اَمَّا الثَّامِنُ

(۸) هل يجوز اقراضه

فاقول نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا يقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل كل دين لا يقضی الا بمثله الا ان يتراضيا ۔

وَ اَمَّا التَّاسِعُ

(۹) هل يجوز بيعه بدراهم نسيئة

فاقول نعم يجوز اذا قبض النوط فی المجلس كيلا يفترقا عن دين بدين وتحقيق ذلك (ف) ان بيع النوط بالدراهم كالفلوس بها ليس بصرف حتی يجب التقابض فان الصرف بيع ما خلق للثمنية بما خلق لها كما فسره به البحر والدر وغيرهما ومعلوم ان النوط والفلوس ليست كذلك

مقایضہ نہ ہوگا۔ بلکہ بیع مطلق ہوگا۔ اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئیگا۔ بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا ۔

جواب سوال ہشتم

(۸) کیا نوٹ قرض دینا جائز ہے؟

اقول ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اسلئے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثلی ہے۔ اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائیگا کہ قرض کی یہی شان ہے۔ بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اسکے مثل سے مگر یہ کہ طرفین کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں۔

جواب سوال نہم

(۹) کیا درہموں کے بدلے نوٹ ادھار بیچنا جائز ہے؟

اقول ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دین کو بدلے دین بیچکر جدا نہ ہوں۔ اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپے کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تا کہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو۔ اسلئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کیلئے پیدا کی گئی۔ اسے ایسی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اسکی یہ تعریف بحر و دُرّ وغیرہ میں فرمائی ہے اور معلوم ہے کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں

ف (مطلب) تحقيق جواز مبادلة الفلوس بالنقدين ولعدها نسيئة و تزييف ما وقع فی فتاوی قارئ الهداية ۱۲

Marfat.com

وانما عرض لها الثمنية بالاصطلاح
مادامت تروج والا فعروض و
بعدم كونه صرفا صرح فی ردّ المحتار
عن البحر عن الذخيرة عن المشائخ
فی باب الربا نعم لكونها اثمانا
بالرواج لابد من قبض احد الجانبين
والا حرم لنهيه صلى الله تعالى عليه
وسلم عن بيع الكالئ بالكالئ و
المسئلة منصوص عليها فی مبسوط
الامام محمد واعتمده فی المحيط[1]
والحاوی والبزازية والبحر والنهر
وفتاوی الحانوتی والتنوير والدر
والهندية وغيرها وهو مفاد
كلام الاسبيجابی كما نقله الشامی
عن الزين عنه ففی الهندية عن
المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا
بدراهم ونقد الثمن ولم تكن
الفلوس عند البائع فالبيع جائز اه
وفيها عن الحاوی وغيره لو اشتری
مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم
ولم يقبض الفلوس حتى كسدت
لم يبطل البيع قياسا ولو قبض خمسين

اون میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض
ہوگیا۔ جب تک چلتے رہیں۔ ورنہ وہ متاع ہیں۔
اور اسکے بیع صرف نہ ہونے کی ردّ المحتار
باب ربا میں بحر اوس میں ذخیرہ اوس میں مشائخ
سے تصریح فرمائی۔ ہاں اسلئے کہ وہ چلن کے سبب
ثمن ہے۔ دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور
ہے۔ ورنہ حرام ہو جائیگا۔ اسلئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وآلہ وسلم نے دَین سے دَین کو بیچنے سے منع فرمایا۔ اور
مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی
تصریح ہے۔ اور اسی پر اعتماد کیا۔ محیط[1] اور
حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر اور
فتاوے حانوتی اور تنویر اور دُر اور
ہندیہ وغیرہا میں۔ اور وہی مفاد ہے
کلام امام اسبیجابی کا۔ جیساکہ شامی نے
بحوالہ بحر اون سے نقل کیا۔ ہندیہ میں مبسوط
سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے
خریدے۔ روپے تو اُس نے دیدیے۔ اور پیسے
بائع کے پاس نہ تھے۔ تو بیع جائز ہے۔ انتہی۔
نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک
روپے کے سو پیسے خریدے۔ روپے پر تو اُس نے
قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اُسکا قبضہ نہ ہوا۔ یہانتک کہ
اُنکا چلن جاتا رہا تو قیاس یہی کہتا ہے کہ بیع باطل نہیں اور اگر پچاس

[1] ای محيط الامام شمس الائمة السرخسی اه منه

Marfat.com

فلسًا فكسدت بطل فى النصف و
لو لم تكسد لم يفسد و للمشترى
ما بقى من الفلوس اھ و فيها عن
محيط السرخسى نحوه و فيها عن
الذخيرة لو اشترى فلوسا او طعاما
بدراهم حتى لم يكن العقد صرفا
و تفرقا بعد قبض احد البدلين
حقيقة يجوز اما اذا حصل الافتراق
بعد قبض احد البدلين حكما
لا غير لا يجوز سواء كان العقد صرفا
او لم يكن بيانه فيما اذا كان عليه
فلوس او طعام فاشترى من عليه
الفلوس او الطعام الفلوس او
الطعام بدراهم و تفرقا قبل نقد
الدراهم كان العقد باطلا و هذا
الفصل يجب حفظه و الناس عنه
غافلون اھ و فيها عنها اعطى رجلا
درهما و قال اعطنى بنصفه كذا
فلسا و بنصفه درهما صغيرا فهذا
جائز فان تفرقا قبل قبض الدرهم
الصغير و الفلوس فالعقد قائم فى
الفلوس منتقض فى حصة الدرهم
وان لم يكن دفع الدرهم الكبير حتى افترقا

پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا۔ اوسکے بعد چلن جاتا
رہا۔ تو نصف میں بیع باطل ہو جائیگی۔ اور اگر چلن
رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی۔ اور خریدنے والا باقی پیسے
لے لیگا انتہی۔ نیز اوسمیں محیط سرخسی سے اسی کے مثل
ہے اوسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے
پیسے یا غلہ خریدا یہانتک کہ وہ عقد صرف نہ ہوا
اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر
جدا ہو گئے۔ تو جائز ہے۔ ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ
حقیقۃً نہ ہوا صرف ایک طرف کا حکمًا ہوا تو جائز
نہیں۔ خواہ وہ عقد صرف ہو۔ یا نہ ہو۔ بیان اوس
کا یہ ہے۔ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ
آتا تھا۔ تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہو انہی
پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا۔ اور روپے
دینے سے پہلے جدا ہو گئے۔ تو بیع باطل
ہو گئی۔ اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے
اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ انتہی
اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ
دیا۔ اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دیدے اور
آدھے کی اٹھنی۔ تو یہ جائز ہے۔ پھر اگر اٹھنی اور پیسوں
پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے۔ تو پیسوں
میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہو گئی
اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا۔ اور
ویسے ہی وہ دونوں جدا ہو گئے

بطل البيع في الكل اھ وفيها عنها
اشترى بفلوس واعطى الفلوس
وافترقا ثم وجد فيها فلسا لا ينفق
فرده فاستبدل له ففي هذه الصورة
اذا كانت الفلوس ثمن متاع لا يبطل
العقد سواء كان المردود قليلا
او كثيرا استبدل او لم يستبدل
وان كانت ثمن الدراهم فان كانت
الدراهم مقبوضة فرد الذي لا
ينفق واستبدل او لم يستبدل
فالعقد باق على الصحة وكذلك
لو وجد الكل في هذه الصورة
لا تنفق وردها واستبدل او لم
يستبدل فالعقد باق على الصحة
وان لم تكن الدراهم مقبوضة ان
وجد كل الفلوس لا ينفق فردها
بطل العقد في قول ابي حنيفة
استبدل في مجلس الرد او لم يستبدل
وقالا ان استبدل في مجلس الرد
فهو صحيح على حاله وان لم يستبدل
انتقض وان كان البعض لا ينفق
فردها فالقياس ان ينتقض العقد
بقدره لكن اباحنيفه رحمه الله تعالى

تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہو گئی انتہی
نیز اوسی میں اُس سے ہے۔ کوئی چیز پیسوں کو
خریدی۔ اور پیسے دیدیئے اور دونوں جدا ہوگئے
پھر بائع نے اون میں ایک پیسہ کھوٹا پایا۔
اور اُسے واپس دیدیا۔ اور اوس کے بدلے اور پیسہ
لیا۔ تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع
کے ثمن تھے۔ تو عقد باطل نہ ہوا۔ خواہ وہ
جو واپس دیئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ
اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے۔ یا نہیں
اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے۔ اب اگر
روپوں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس صورت میں
کھوٹا پھیرا۔ اور اوس کے بدلے میں کھرا لیا
یا نہ لیا۔ تو عقد بدستور صحیح ہے۔ اسی طرح
اس صورت سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس
دیئے۔ اور اون کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ
لئے۔ جب بھی بیع صحیح رہیگی۔ اور اگر روپوں پر
قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس
دیئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہو گئی اگرچہ
اوسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور
صاحبین فرماتے ہیں اگر اوسی مجلس میں کھرے بدل
لیئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی
اور اگر کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دیئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے
میں بیع باطل ہو جائے۔ مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل
فی مجلس الرد ان لا ینتقض العقد
اصلا واختلفت الروایات عن
ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی فی
تحدید القلیل ففی روایۃ اذا زاد
علی النصف فکثیر وما دونہ قلیل
وفی روایۃ النصف کثیر وفی روایۃ
اذا زاد علی الثلث اھ ملخصا وانما
اکثرنا النقول عن الذخیرۃ لانہ
لانہ سیاتی عنہا نقل خلاف
فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر
منک انہ جزم فی مسائلنا ہذہ اعنی
بیع الفلوس بالدراہم فی غیر موضع
بالجواز ولم یلم ہہنا بذکر خلاف
اصلا وفی تنویر الابصار والدر
المختار باع فلوسا بمثلہا او بدراہم
او بدنانیر فان نقد احدہما جاز
وان تفرقا بلا قبض احدہما لم
یجز اھ وبالجملۃ فالمسئلۃ ظاہرۃ
والنقول متواترۃ وان خالفہا
العلامۃ قاری الہدایۃ فی فتاواہ
فشرط التقابض وحرم النسیئۃ
وہذا نصہا سئل ہل یجوز بیع مثقال

استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے
تھوڑے سے ہوں اور اوسی جلسے میں بدلے کے پیسے
لے لئے جائیں۔ تو عقد اصلاً نہ ٹوٹیگا۔ اور یہ کہ تھوڑے
کتنے کو کہینگے۔ اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف
آئیں۔ ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ نصف سے
زائد کثیر ہیں۔ اور اس سے کم قلیل۔ اور ایک روایت
میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے۔ اور ایک روایت
میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصاً۔ اور
ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اسواسطے ذکر کیں
کہ اوس سے ایک نقل اسکے مخالف آنے والی ہے
ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں۔ تو یہ
تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنے
روپیوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ
جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف
کے قریب بھی نہیں گئے۔ اور تنویر الابصار و درمختار
میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض
پیسے بیچے۔ اور ایک طرف کا قبضہ ہو گیا۔ تو جائز ہے
اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ جدا ہو گئے تو ناجائز
ہے۔ انتہی۔ الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں متواتر
ہیں۔ اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاوے میں
اوسکی مخالفت فرمائی۔ کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا
اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھیرایا۔ اوس
کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ کیا ایک مثقال

Marfat.com

من الذهب بقنطار من الفلوس
نسيئة ام لا؟ (الجواب) لا يجوز بيع
الفلوس الى اجل بذهب او فضة
لان علماءنا نصوا على انه لا يجوز
اسلام موزون في موزون الا اذا
كان الموزون المسلم فيه مبيعا
كزعفران او غيره والفلوس ليست
من المبيعات بل صارت اثمانا اه
وترده العلامة الحانوتي حين سئل
عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة
فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد
البدلين لما في البزازية لو اشترى
مائة فلس بدرهم يكفي التقابض
من احد الجانبين قال ومثله ما
لو باع فضة او ذهبا بفلوس
كما في البحر عن المحيط قال فلا يغتر
بما في فتاوى قارئ الهداية اه
واجاب عنه في النهر بان مراده
بالبيع السلم والفلوس لها شبه
بالثمن ولا يصح السلم في الاثمان
ومن حيث انها عروض في الاصل
اكتفي بالقبض من احد الجانبين
اقول وهذا هو المستفاد من تعليله

سونا پیسوں کی ڈھیری سے اودھار بیچنا جائز ہے
یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی
کے عوض اودھار بیچنا ناجائز ہے۔ اسلئے کہ ہمارے
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر
بکتی ہوں (جیسے سونا۔ چاندی۔ تانبا) انمیں
ایک کی دوسری سے بدلی جائز نہیں۔ مگر اس صورت
میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری
ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور
پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن بن گئے ہیں انتہی
اور علامہ حانوتی نے اسکا رد فرمایا جبکہ اونسے پیسوں
کے عوض سونا اودھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا۔
جواب دیا کہ جائز ہے اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ
ہو گیا۔ اسلئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے
سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے
پھر فرمایا۔ اسی طرح اگر چاندی یا سونا پیسوں کو
بیچیں جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا۔ تو
وہ جو فتاوی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اوس سے دھوکا نہ
کھایا جائے۔ انتہی۔ اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب
دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بیع سلم ہے۔ اور
پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے
بیع سلم صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پیسے اصل میں متاع
نہیں۔ ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔ و
اقول یہی اونکی اس دلیل سے مستفاد ہے

Marfat.com

باقی علمائنا نصوا علی انہ لا یجوز اسلام موزون فی موزون الخ لکن لم یقنع بہ العلامۃ ابن عابدین فی ردّ المحتار واجاب بحمل ما فی فتاوی قاریٔ الھدایۃ علی ما دل علیہ کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین قال فلا یعترض علیہ بما فی البزازیۃ المحمول علی ما فی الاصل یعنی المبسوط ونقل قبیلہ عن البحر عن الذخیرۃ انّ محمدا ذکر مسئلۃ بیع فلس بفلسین باعیانھما فی صرف الاصل ولم یشترط التقابض وذکر فی الجامع ما یدل علی انہ شرط فمنھم من لم یصحح الثانی لانّ التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس بہ ومنھم من صححہ لان الفلوس لھا حکم العروض من وجہ وحکم الثمن من وجہ فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی اھ

اقول وباللہ التوفیق ما جنح الیہ الشامی مجیبا للبحر تبعا للذخیرۃ

کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ وہ چیزیں جو وزن سے بِکتی ہیں ان میں بیع سلم جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردّ المحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ قاریٔ ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس پر مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے۔ اور اس سے کچھ پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا۔ اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعیین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے۔ اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اسلئے کہ پیسوں کیلئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے۔ اور ایک جہت سے ثمن کا۔ تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی۔ اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا۔ انتہی

اقول وباللہ التوفیق وہ جس کی طرف شامی نے بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ

من دلالة كلام الجامع الصغير على
اشتراط التقابض فللعبد الضعيف
فيه تامل قوي واني راجعت الجامع
فوجدت نصه هكذا محمد عن
يعقوب عن ابي حنيفة رضي الله تعالى
عنهم رجل باع رطلين من شحم
البطن برطل من الية او باع رطلين
من لحم برطل من شحم البطن او
بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين
او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين
يدا بيد باعيانهما يجوز و هو
قول ابي يوسف رحمه الله تعالى
وقال محمد رحمه الله تعالى لا يجوز
فلس بفلسين ويجوز تمرة بتمرتين
اه كلامه الشريف قدس سره المنيف
فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه
الله تعالى يدا بيد لكن قد علم
من مارس الفقه ان هذا اللفظ
ليس نصا صريحا في التقابض
بالبراجم الا ترى علماءنا رحمهم
الله تعالى فسروا في الحديث
المعروف بالعينية كما قال في الهداية
ومعنى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم

میں کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط
ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بندۂ ضعیف کو اس میں
تامل قوی ہے۔ اور میں نے جامع کی طرف رجوع
کی۔ تو اوسکی عبارت یوں پائی۔ امام محمد روایت
کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم سے
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل
چربی ایک رطل چکتی کو بیچی۔ یا دو رطل گوشت
ایک رطل چربی کو۔ یا ایک انڈا دو انڈے
یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ
دو پیسے کو یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو
دست بدست کہ دونوں معین ہوں۔ تو جائز ہے
اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالے علیہ کا ہے
اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے فرمایا ایک پیسہ
دو پیسے کو جائز نہیں۔ اور ایک چھوہارا دو
چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا انکا کلام شریف پاک کیا گیا
ونکا سر معظم۔ تو موضع سند اونکا یہی قول ہے
کہ دست بدست۔ مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی
ہے۔ اوسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف
نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے
ہو جائے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء
رحمہم اللہ تعالے علیہم نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور
میں تعین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا
کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ

Marfat.com

يدا بيدٍ عينًا بعين كذا رواه عبادة
بن الصامت رضي الله تعالى عنه اه
كيف وقد قال اصحابنا رضي الله
تعالى عنهم ان التقابض انما يشترط
في الصرف و اما ما سواه مما يجري
فيه الربا. فانما يعتبر فيه التعيين
كما في الهداية وغيرها و
قال في التنوير المعتبر تعيين الربوي
في غير الصرف بلا شرط تقابض
قال في الدر حتى لو باع برا ببر
بعينهما وتفرقا قبل القبض جاز لم
فان حمل قوله هذا في العبارة
التي ذكرنا على التقابض و
استجلب منه اشتراط ذلك
في فلس بفلسين كان ايضًا
مشترطا في تمرة بتمرتين وبيضة
ببيضتين وجوزة بجوزتين عند
من يقول ان القيد راجع للمسائل
جميعا كالنهر والدر وغيرهما
فان المسائل كلها مسوقة سياقًا
واحدا لا سيما في عبارة الجامع
فان القيد مذكور فيه بعد تمرة
بتمرتين وانما ذكر فلسا بفلسين

دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین
ہو جائے۔ کسی طرف دین نہ رہے، جیسا کہ عبادہ بن
صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا۔ انتہی۔
اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم
نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اُسکے
سوا اور صورتیں جنمیں ربا جاری ہو سکتا ہے اون میں
فقط تعیین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور
تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے
وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے
قبضہ طرفین شرط نہیں درمختار میں فرمایا یہانتک کہ اگر
گیہوں کو بدلے گیہوں بیچا۔ اور ان دونوں کو معین کردیا
اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے۔ تو جائز ہے انتہی
تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں
اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے۔ اور اوس
سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم
بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور
انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا
شرط ہونا لازم آئیگا۔ اون کے نزدیک جو کہتے
ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے۔
جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما۔ اسلئے کہ
وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں
خصوصًا عبارت جامع صغیر میں۔ کہ اوس
میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے
اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے

Marfat.com

قوله - وهذا المرتقل ائمتنا فوجب حمله على اشتراط التعيين وكان قوله رضي الله تعالى عنه باعيانها تفسيرا لقوله يدا بيد و الا لكان حشوا مستغنى عنه لا طائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعيين وازيد فذكره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اى محمد كما صرح به العلامة بدر العيني في البناية) يجوز بيع البيضة بالبيضتين والتمرة بالتمرتين والجوزة بالجوزتين ويجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانها اه تظهر ظهور الشمس في رابعة النهار ان ليس في الجامع دليل على ما فهم هؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغير احتمالا اظهر واظهر لا يعدو ولا يرام ولا حجة في المحتمل بخلاف عبارة

آور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالے عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جسکا کچھ فائدہ نہیں۔ کہ قبضہ طرفین میں تعیین مع زیادت ہے۔ تو اس کے بعد اسکا ذکر فضول ہے۔ اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا۔ تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا۔ جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد نے جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا دو انڈے کو اور ایک خرما دو خرمے کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے۔ اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے۔ انتہی تو بھر دن چڑھے کے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا۔ کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے۔ اور اگر فرض بھی کر لیجائے۔ تو اس کیساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔ ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہوسکے نہ اس کی طرف کوئی بڑا قصد کرسکے۔ اور احتمال بات حجت نہیں ہوتی۔ بخلاف عبارت

Marfat.com

الاصل فانها نص اي نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیه کلیکن التعویل والتوفیق بالله الملك الجلیل ٭

ثم لا یخفی علیك ان هذا کله کان مماشاة منا مع العلامة الشامی والمقصود ابانة مفاد الجامع والا فالحق ان فتوی العلامة سراج الدین ما بها حاجة الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولا[1] هو مدعاه ولا[2] علیه توقف لما ادعاه فانه انما حرم النسیئة وحرمتها لا[3] توجب عینیة الجانبین ایضًا فضلًا عن التقابض الا تری ان بیع ثوب بدرهم حالا لیس نسیئة ولا فیه العینیتان نعم ایجاب العینیة من الجانبین یوجب تحریم النسیئة

---

[1] لانه سلمه سلما وانتم للصرف ثم فرق اه منه [2] لان السلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشترط فیه التقابض کثمن فی ثمن او لا کمبیع فی ثمن اه منه [3] وانما کانت توجب لکان انتفاء النسیئة مستلزمًا لوجود العینیتین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معًا کما فی المثال المذکور

مبسوط کے کہ دو تبعہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے۔ تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے۔ اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے ٭

پھر اتنا معلوم رہے۔ کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ اونکی روش پر چلنا تھا۔ اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوی علامہ قاری الہدایہ کو اسکی کچھ حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجے۔ اور[1] نہ وہ اونکا مدعی ہے۔ اور[2] نہ اوسپر اونکا دعوے موقوف کہ وہ تو ادھار کو حرام بتا رہے ہیں۔ اور اوس کی حرمت دونوں طرف مین ہونے کو بھی واجب[3] نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اوس میں دونوں جانب عین۔ ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت کو لازم کرتا ہے۔

---

[1] کہ وہ تو اوسے سلم مانے رہیں اور تم صرف کیطرف پھیر گئے ۱۲ منہ [2] کہ ثمن میں سلم اصلا جائز نہیں چاہے اوس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بیع یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بیع ۱۲ منہ [3] واجب تو جب کرتی کہ ادھار نہ ہونے سے دونوں طرف عین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہے نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ

لانّ التاجيل للترفيه فى التحصل العين متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع على هذا الوجه لكان[۱] له وجه وسلم من الاعتراض المذكور واذن اقول وبالله التوفيق

ہاں تو کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شئے کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قارئ الہدایہ کیلئے اس طور استدلال کیا جاتا تو اسکی ایک وجہ ہوتی[۱]۔ اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی۔ اور اب میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے

[۱] لکونه دليلا على الحكم الّذى افتى به وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفية دون السلمية ومن هذا الباب ما فى الهندية عن المحيط حيث ذكر مسائل شراء المستقرض الكر القراض من المقرض بمائة وانه يجوز اذا شرى ما فى ذمته ونقد الثمن فى المجلس والّا لا فتراقهما عن دين بدين ثم قال كذالك الجواب فى كل مكيل وموزون غير الدراهم والدنانير والفلوس اذا كان قرضا اھ فجعل الفلوس ممّا لا يجوز شراؤه دينا فى الذمة بثمن منقود ايضا كما فى البحرين والصحيح ما قدمنا ه عن الهندية عن الذخيرة ان منع غير الصرف مختص بما اذا لم يقبض شئ من البدلين فيهما حقيقيا وان قبض حكما اما اذا قبض احدهما حقيقة جاز ومثله فى ردّ المحتار عن الوجيز وبالجملة جعله صرفا صرف له عما نص عليه عامة الاصحاب فى غير ما كتاب۔ والله تعالٰى اعلم اھ منه

[۱] کہ وہ اُس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انہوں نے فتوے دیا یعنی ناجائز ہونا۔ اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ سلم کی جہت سے۔ اور اسی باب سے ہے وہ جو ہندیہ میں محیط سے ہے جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں۔ کہ غلہ قرض لینے والا اوس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے۔ اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خریدے جو اوس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے۔ (نہ بعینہ وہ غلہ جو قرض لیا ہے) اور قیمت اوسی جلسے میں ادا کر دے ورنہ حرام ہوگا۔ کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہو گئے۔ پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیزیں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی۔ تو پیسوں کو بھی روپوں اشرفیوں کی طرح ان چیزوں میں شمار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو اونکا خریدنا ناجائز ہے۔ اگرچہ قیمت اوسی جلسہ میں ادا ہو جائے۔ اور صحیح وہ ہے جو ہم ہندیہ سے ذخیرہ سے نقل کر چکے کہ سوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونو طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں۔ اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو۔ (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکماً مقبوض ہے) مگر جب ایک پر حقیقی قبضہ ہو جائے تو جائز ہے۔ اور ایسا ہی رد المحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اوس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

Marfat.com

لا يخفى عليك ان اشتراط العينية
من الجانبين فى الربويات وهى
المكيلات والموزونات دون
المعدودات كما نص عليه فى سلم
الفتح وغيره حيث قال انما يمنع
ذلك فى اموال الربا اذا قوبلت بجنسها
والمعدود ليس منها اھ كما قال
فى البحر تحت قول الكنز وحلا بعد
مهما اى الفضل والنسأ عند
انعدام القدر والجنس فيجوز
بيع ثوب هروى بمرويين نسئة
والجوز بالبيض نسئة وقال تحت
قوله يعتبر التعيين دون التقابض
فى غير الصرف من الربويات بيانه
ما ذكره الاسبيجابى بقوله واذا تبايعا
كيليا بكيلى او وزنيا بوزنى كلاهما
من جنس واحد او من جنسين
مختلفين فان البيع لا يجوز حتى يكون
كلاهما عينا اضيف اليه العقد
وهو حاضر او غائب بعد ان يكون
موجودا فى ملكه الخ واتما عللوا
وجوبها فى فلس بفلسين بانه لو باع
فلسا بعينه بفلسين بغير عينهما

تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال
ربا میں ہے۔ اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول
سے بکتی ہیں۔ نہ وہ کہ گنتی سے۔ جیسا کہ فتح القدیر
وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے۔ جہاں کہ فرمایا کہ
یہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کیساتھ
بیچے جائیں۔ اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں کہ
نہیں۔ انتہی جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں
جب دونوں نہ ہوں۔ تو دونوں حلال ہیں۔ بحر الرائق میں
فرمایا یعنی جب قدر وجنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور
ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے
ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض
ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ
ادھار بیچنا۔ اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صرف کے بعض
کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ قبضہ طرفین اس کے نیچے
بحر نے فرمایا بیان اسکا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس
قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی
چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا
دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی۔ مگر اس شرط سے کہ وہ
دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا۔ خواہ
وہیں حاضر ہو یا غائب ہاں اس کی ملک میں موجود
ہونا چاہیئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو
واجب کیا اسکی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر
ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچیگا

Marfat.com

امسك البائع الفلس المعين وطالبه
بفلس اخر او سلم الفلس المعين و
قبضه بعينه منه مع فلس اخر
لاستحقاقه فلسين فی ذمته فیرجع
الیه عین ماله و یبقی الفلس الاخر
خالیا عن العوض و کذا لو باع
فلسین باعیانهما بفلس بغیر
عینه قبض المشتری الفلسین و
دفع الیه احدهما کان ما استوجب
علیه فیبقی الاخر فضلا بلا عوض
استحق بعقد البیع کما فی الفتح
و نحوه فی العنایة و غیرهما و هذه
العلة لا جریان لها فی الدراهم
بالفلوس نسیئة کما لا یخفی فضلا
من النوط بالدراهم فعبارة قاری
الهدایة احسن محمل لها ما ذکر
فی النهر و یکون اذن مبنیا علی روایة
نادرة عن محمد کما سیاتی و
ان لم یسلم فهی فتوی من دون
سند ولا نعلم له[1] سلفا فیها و

تو بائع کو اختیار رہیگا۔ کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے
اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے۔ یا وہ معین پیسہ
مشتری کو دیکر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسہ کے
اوس سے واپس لے کیونکہ مشتری کے ذمہ پر اُس کے
دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اوسکی طرف بعینہٖ
لوٹ آیا۔ اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ گیا۔ اور یونہی اگر دو
معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں
پیسے لیگا۔ اور اوس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا
ہے اُسکی ادا کو اونہی میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر
دیگا۔ تو دوسرا پیسہ نامُدہ گیا مبیع لیسے معاوضہ کے
جسکا استحقاق عقد بیع سے پیدا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں
ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور اور درہم پیسوں
کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہو سکتی
جیسا کہ پوشیدہ نہیں نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ
بیچنے میں۔ تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر
محل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک
روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالے
علیہ سے آئی ہے جیسا کہ عنقریب اوسکا بیان آتا ہے اور
اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوی ہے جس کے ساتھ کوئی
سند نہیں۔ اور نہ ہم اوس میں اُنسے پہلے کا کوئی مستند[1] معلوم

[1] ای بالوجه الذی ذکر و ان صرف الی الظاهر فقد علمت ما له من الضعف القوی اه منه

[1] یعنی اوس طریقے سے جو نہر میں نے ذکر کیا اور اگر ظاہر کی طرف پھیرو تو تمہیں معلوم ہو چکا جو اوس میں قوی ضعف ہے ۱۲ منہ

هو لم يستند لنقل و ما تجشم له الشامی فقد علمت حالہ فکیف یعارض بہ ما تطابقت علیہ کلمات اولئك الاجلۃ الکرام الذین قصصتهم علیك و امامهم فیها نص محمد فی الاصل فهو القول الفصل ؛

(ف) انتقاد علی العلامۃ قارئ الهدایۃ

ثمّ اقول علا ان فی ما ذکر العلامۃ قارئ الهدایۃ ذهولین صریحین عن مسائل المذهب ذهول عما نص علیہ علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنیۃ الی العددیۃ و ذهول عما نصوا علیہ ان ثمنیتها تبطل باصطلاح العاقدین و ان بطلانها لا یبطل الاصطلاح علی العددیۃ وکل ذلك منصوص علیہ فی الهدایۃ وغیرها وهذا نصها و لهما ان الثمنیۃ فی حقهما تثبت باصطلاحهما اذ لا ولایۃ للغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما واذا بطلت الثمنیۃ

نہ وہ اوسپر کسی نقل سی سند لائے اور وہ جو اونکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اوسکا حال معلوم ہوچکا تو اوس سی کیونکر معارضہ ہوسکتا ہی اوس حکم کا جس پر اون اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے - اور اوس میں اون کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہی - تو یہی قول فیصل ہے ‌ +

(ف) علامہ قاری الہدایہ پر تعقبات

ثمّ اقول علاوہ بریں وہ جو علامہ قاری الہدایہ نے ذکر کیا اوس میں مسائل مذہب سے صاف دو ذہول ہیں - ایک ذہول تو اوس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سی خارج ہوکر گنتی کی چیز ہوگئے - اور دوسرا ذہول اوس سے وہ جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سی باطل ہوجاتا ہی اور ثمنیت کے بطلان سی وہ اصطلاح جو ٹھری ہوئی ہی کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہی ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہی کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں اون کی اصطلاح سی ثابت ہوتی ہے - اس لئے کہ اوروں کو اون پر کچھ ولایت نہیں - تو وہ اپنی اصطلاح میں اوسے باطل بھی کرسکتے ہیں - اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا

تتعیّن بالتعیین ولا یعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العدّ اھ
و سنلقی علیک ان محمدا ایضا سلّم فی السلم بطلان الثمنیۃ و
انما انکرہ فی البیع لعدم الدلیل فھو مجمع علیہ بین ائمتنا فاذن
اسلام احد النقدین فی الفلوس لیس سلما فی ثمن ولا اسلام
موزون فی موزون بل موزون فی عددی متقارب مثمن ولا بأس بہ
باجماع علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی وبالجملۃ فالعبد الضعیف لا
یعلم لھٰذا الفتوٰی وجہ صحۃ اصلا تأمّل لعل لکلامہ وجھا
لست احصلہ بفھمی السخیف و لعلّی انا الاولٰی بالخطأ من ھٰذا
العلامۃ العریف رحمہ اللہ تعالٰی

ثم اقول ولئن سلمنا فلنا ان نقول ما ذکر انما یتمشّی
فی الفلوس اما النوطات فلیس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن
عرفا قط فلم یشملھا المعیار کجفنۃ من حبّ وذرۃ من ذھب

تو معین کئے سے معیّن ہو جائینگے۔ اور اس سے تول کی چیز نہ ہو جائینگے۔ کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ۔ اور عنقریب ہم تمہیں بتائینگے۔ کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے۔ ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اسکا انکار کیا ہے تو اب یہ ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے۔ تو اس حالت میں روپیہ یا اشرفی سے پیسوں کی بدنی کرنا ثمن کی بدنی نہیں۔ اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدنی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدنی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں۔ اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰے کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل بندۂ ضعیف اس فتوے کیلئے اصلاً کوئی وجہ صحت نہیں جانتا۔ تأمّل کر شاید اونکے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو۔ کہ میں اپنی فہم شست سے اوسے نہیں سمجھا۔ اور کیا عجب ہے کہ بنسبت اس علامہ کامل المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰے کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔

ثم اقول۔ اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں یہ کہنے کا اختیار ہے کہ وہ وجہ علامہ نے ذکر فرمایا۔ وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں۔ اسلئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے۔ تو معیار انہیں شامل نہ ہوا جیسے گیہوں سے ایک ہتھیلی بھر۔ اور سونے سے ایک ذرہ

Marfat.com

فمسئلتنا هٰذه سالمة عن الخلاف على كل حال والحمد لله ذى الجلال هكذا ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق

وَاَمَّا العَاشِرُ

فاقول نعم يجوز السلم فى الفلوس وقد يقال لا يجوز فانه ثمن ولا سلم فى الاثمان كما تقدم من النهر والتحقيق ان هذا انما يبتنى على رواية نادرة عن محمد والا فالمنصوص عليه فى المتون جواز السلم فى الفلوس وانما لا يجوز فى الاثمان الخلقية وهى النقدان لا غير لعدم قدرة العاقدين على ابطال ثمنيتهما بخلاف الاثمان الاصطلاحية قال فى التنوير والدر (يصح اى السلم فيما امكن ضبط صفته) بجودته ورداءته (ومعرفة قدره كمكيل وموزون) وخرج بقوله (مثمن) الدراهم والدنانير لانها اثمان فلم يجز

تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے۔ ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے۔ اور توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

جواب سوالِ دہم

اقول ۔ ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو۔ اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے۔ اور ثمن میں بیع سلم جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی۔ ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بیع جائز ہے۔ ہاں جو ثمن ہونے کیلئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے بس اسلئے کہ بائع و مشتری انکی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحاً ثمن قرار پائیں ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا۔ سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے۔ جیسے اوس کا کھرا اور کھوٹا ہونا۔ اور اسکا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز۔ اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو۔ اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے۔ اس لئے کہ وہ ثمن ہیں۔ تو ان میں جائز نہیں

Marfat.com

فيما السلم خلافا لمالك (وعددي
متقارب كجوز وبيض وفلس) الخ
قال ابن عابدين قوله وفلس الاولى
بفلوس لانه مفرد لا اسم جنس قيل
وفيه خلاف محمد لمنعه بيع الفلس
بالفلسين الا ان ظاهر الرواية عنه
كقولهما و بيان الفرق في النهر
وغيره اهـ فكان النهر انما ابداه
تاويلا لفتوى قارئ الهداية حتى
يحصل له مستند و لو في النوادر
و لم يرد به تعويلا عليه وفي الهداية
وكذا في الفلوس عددا وقيل هذا
عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما
الله تعالى وعند محمد لا يجوز۔
لانها اثمان ولهما ان الثمنية
في حقهما باصطلاحهما فتبطل
باصطلاحهما قال في الفتح اي يجوز
السلم في الفلوس عددا هكذا ذكره
محمد رحمه الله تعالى في الجامع
من غير ذكر خلاف فكان هذا
ظاهر الرواية عنه وقيل بل هذا
قول ابي حنيفة و ابي يوسف اما عنده
فلا يجوز بناء على منعه بيع الفلس بالفلسين

امام مالک کا اسمیں خلاف ہے۔ یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی
ہو کہ ایکی افراد باہم قریب قریب ہوں جیسے اخروٹ انڈے اور پیسے
علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے
کہ پیسے کہیں اسلئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے اسم جنس نہیں
بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اسلئے کہ
وہ دو پیسوں کو ایک پیسے سے بیچنا منع فرماتے ہیں۔ مگر
روایت مشہورہ اون سے بھی مثل قول امام اعظم اور امام
یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہیٰ۔ تو گویا
نہر نے یہ بات فتویٰ قاری الہدایہ کی تاویل کیلئے ظاہر
کی تاکہ اوس کے لئے کوئی سند ہو جائے۔ اگرچہ نوادر میں
اور اس سے اوس پر اعتماد کرنا نہ چاہا۔ اور ہدایہ میں ہے
یونہی پیسوں میں بھی جائز ہے انکی گنتی مقرر کر کے۔ اور
کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے
اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اسلئے کہ
پیسے ثمن ہیں۔ کہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع
و مشتری کے حق میں اونکی اصطلاح کی بنا پر ہے تو انکی
اصطلاح سے باطل بھی ہو جائیگا۔ فتح القدیر میں فرمایا
پیسوں میں گنتی سے بدنی جائز ہے۔ اسی طرح امام
محمد نے جامع میں ذکر فرمایا۔ اور کسی خلاف کا نام
نہ لیا۔ تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی اور
بعض نے کہا۔ کہ یہ قول شیخین کا ہے۔ امام
محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ
دو پیسوں کو ایک پیسے سے بیچنا منع فرماتے ہیں۔

Marfat.com

لانها اثمان و اذا كانت اثمانا لم يجز السلم فيها لكن ظاهر الرواية عنه الجواز و الفرق له فى البيع و السلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدما على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على الثمنية و يصح السلم فيها على الوجه الذى يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز و روده على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن الثمنية فلا يجوز التفاضل فامتنع بيع الفلس بالفلسين اھ

اقول لكن فى الفرق نظر فان محمدا لا يقول بخروجها عن الثمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال فى الهداية يجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما عند ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالى لا يجوز لان الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما و اذا بقيت اثمانا

کہ وہ ثمن ہیں۔ اور جب وہ ثمن ہوئے تو اون میں بدنی جائز نہ ہوئی۔ مگر روایت مشہورہ میں امام محمد سے بھی جواز ہی ہے۔ اور بیع اور بدنی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدنی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدے پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو۔ تو جب اونہوں نے پیسوں کی بدنی پر اقدام کیا۔ تو ضمناً اونکی اصطلاح ثمنیت کو باطل کر دیا۔ اور اونکی بدنی اسی طور پر جائز ہے۔ جس طرح اون میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے۔ تو بیع میں اون کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں۔ تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی۔ اور ایک پیسہ کی دو پیسہ سے بیع منع ٹھہری۔ انتہی

اقول مگر اس فرق میں اعتراض ہے اسلئے کہ امام محمد اسکے قائل ہی نہیں سکھ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہو جائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اونکے ثمن ہونے پر متفق ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا جائز نہیں۔ اسلئے کہ اونکا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا۔ تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہو جائیگا۔ اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی ہے

لا تتعين. فصار كما اذا كانا
بغير اعيانهما. وكبيع الدراهم
بالدراهم ولهما ان الثمنية
في حقهما تثبت باصطلاحهما الى
اخر ما تقدم وقد اقره المحقق
في الفتح وقرره على هذا النهج
فكيف يقول محمد ههنا ان
اقدامهما على السلم ابطال منهما
لاصطلاح الثمنية الا ان يقال
ان هذا رجوع عن التعليل الاول
ولم يكن عن نص محمد وانما
ابداه المشائخ وظهر الان
بهذا الفرق ان الوجه لمحمد
لم يكن ذلك بل هو ايضا قائل
بان لهما ابطال الاصطلاح
في حقهما ولكن اذا ثبت هذا
عنهما وقد ثبت في السلم لان
المسلم فيه لا يكون ثمنا قط
فاقدامهما على جعلها مسلما
فيها دليل على الابطال ولم يثبت
في البيع اذ ليس من ضرورته ان
لا يكون المبيع ثمنا فلم يثبت
منهما ابطال الاصطلاح فبقيت اثمانا

تو متعین نہ ہونگے۔ تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک
پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا۔ اور جیسے ایک
معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا۔ اور شیخین
کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں اون
کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ
تک۔ اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر
رکھا اور اسی طور پر اسکی تقریر کی۔ تو امام محمد
یہاں کس طرح فرمائینگے۔ کہ عاقدین کا اونکی بدلی
پر اقدام کرنا اونکی اصطلاح ثمنیت کو باطل
کر لینا ہے۔ مگر یہ کہا جائے۔ کہ یہ پہلی تعلیل سے
رجوع ہے۔ اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول
نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی۔ اور اب اس فرق
سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی
بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے
حق میں ثمنیت باطل کرنیکا اختیار ہے۔ مگر یہ جب ہی
کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت
ہو جائے۔ اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہو گیا۔
اسلئے کہ اوس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھیرے وہ کبھی
ثمن نہیں ہو سکتی۔ تو پیسوں میں بدلی پر اونکا اقدام
اون کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے۔ اور بیع میں
اونکا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اوس میں مبیع کا ثمن نہ
ہونا کچھ ضرور نہیں۔ تو عاقدین سے ابطال اصطلاح
ثابت نہ ہوا۔ تو پیسے بحال خود ثمن رہے۔

Marfat.com

فلم تتعين فبطل البيع وهذا لتقرير
على هذا الوجه ربما يميل الى
ترجيح قول محمد[له] في البيع فافهم
والله تعالى اعلم ❊

واما الحادى عشر

هل يجوز بيع النوط بأزيد من رقمه او انقص =

فاقول نعم يجوز بيعه
بأزيد من رقمه وبأنقص
منه كيفما تراضيا لما علمت
ان تقديرها بهذه المقادير
انما حدث باصطلاح الناس وهما
لا ولاية للغير عليهما كما تقدم
عن الهداية والفتح فلهما ان يقدرا
اي ما شاءا من نقص و زيادة

تو متعین نہ ہوئے۔ تو بیع باطل ہوئی۔ اور یہ تقریر
اس طرز پر کبھی اس طرف جھکیگی کہ مسئلہ بیع میں
امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے[له] فافہم
واللہ تعالیٰ اعلم ❊

جواب سوال یازدہم

نوٹ کا کم و بیش کو بیچنا =

اقول ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہو
اوس سے زیادہ یا کم کو بیچنے پر رضامندی
ہوجائے اوسکا بیچنا جائز ہے اسلئے کہ اوپر
معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے
اندازہ کرنا صرف ان لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا
ہے۔ اور بائع و مشتری پر اونکے غیر کی کوئی ولایت
نہیں جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا۔ تو اون دونوں
کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں

له يشير الى الجواب بان الحاجة الى التصحيح
العقد تكفى قرينة على ذلك ولا يلزم كون
ذلك ناشئا عن نفس ذات العقد كمن
باع درهما ودينارا بدرهمين ودينار
يحمل على الجواز صرفا للجنس الى خلاف الجنس
مع ان نفس ذات العقد لا تأبى مقابلة الجنس
بالجنس واحتمال الربا كتحققه فما الحامل عليه
الا حاجة التصحيح وكم له من نظير اه منه

له یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح کرنے کی
حاجت اسیر کافی قرینہ ہے۔ اور اُسکا خود ذات عقد کی طرف
سے ناشی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو
اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے۔ تو اسصورت
جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود
ذات عقد میں جنس کو مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود
کا شبہ مثل حقیقت کے ہے۔ تو اسپر صرف یہی حاجت تصحیح عقد
باعث ہے۔ اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

وقد تم الجواب بهٰذا القدر عند كل من له سلامة الفكر وقد افتيت به مرارًا وافقني عليه ناس من كبار علماء الهند كالفاضل الكامل محمد ارشاد حسين الرام فوري رحمه الله تعالیٰ وغيره وما خالفني الا رجل[1] من لكنؤ ممن يعد من الاعيان ويشار اليه بالبنان ولما اطلع على خلافه الا بعد موته لما طبعت وريقات باسم فتاواه ولو راجعته في حياته لرجوت ان يرجع لان الرجل كان اذا عرف عرف واذا عرف انصرف فالان ازيدك بيانا بعد بيان لا يبقي ان شاء الله تعالیٰ للحق الا القبول والاذعان ❊

نصّ علمائنا رحمهم الله

فاقول اولًا نص علماؤنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنسيأ وان عدما حلا وان وجد احدهما حل الفضل

اور جو شخص فکرِ سلیم رکھتا ہو اُسکے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا۔ اور میں نے بارہا اسپر فتویٰ دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا بھی حکم ہوا۔ جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ وغیرہ۔ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص[1] نے۔ جو علماء سے گنے جاتے۔ اور اُنکی طرف انگلیاں اُٹھتیں۔ اور مجھے اُن کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر اُنکی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق اُنکے فتاوٰی کے نام سے چھپے۔ اور میں اُنکی زندگی میں اگر اس بارے میں گفتگو کرتا۔ تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے۔ کہ اُن صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے۔ تو اب میں تجھکو ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالےٰ حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے

[illegible]

فاقول اوّلًا ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالےٰ نے تصریح فرمائی۔ کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحادِ جنس کیساتھ۔ تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور اگر دونوں میں سے کوئی نہ پائی جائے۔ تو بیشی حلال

---

[1] يعني المولوي عبد الحي اللكنوي اه ۱۲ منه

[1] جنکو مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی کہا جاتا ہے ۱۲

Marfat.com

وحرم النسیٔ وهذه قاعدة غیر منخرمة وعلیها تدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لا اشتراك فی النوط والدراهم فی جنس ولا قدر اما الجنس فلان هذا قرطاس و تلك فضة ۔ واما القدر فلان الدراهم موزونة ولا قدر للنوط اصلا لا مکیل ولا موزون فیجب ان یحل الفضل والنسیٔ جمیعا فاذن لیس النوط من الاموال الربویة اصلا۔ وسنزیدك تحقیق الامر فی ذلك عن قریب ان شاء الله تعالی

اور ادھار حرام ہے۔ اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں۔ اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں۔ اور معلوم ہے۔ کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے۔ نہ جنس میں۔ جنس میں تو اسلئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی۔ اور قدر میں اس لئے نہیں۔ کہ روپے تول کی چیز ہیں۔ اور نوٹ نہ تول کی اور نہ ماپ کی۔ تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں۔ تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں۔ اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے۔

وثانیا قال فی رد المحتار وغیره کلما حرم الفضل حرم النسیٔ ولا عکس وکلما حل النسیٔ حل الفضل ولا عکس

ثانیاً رد المحتار وغیرہ میں فرمایا۔ جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اسکا عکس نہیں۔ اور جہاں ادھار حلال ہے بیشی بھی حلال ہوتی ہے۔ اور اسکا عکس نہیں۔

وقد اقمنا البرهان القاطع فی جواب التاسع علی حل النسیٔ ههنا فوجب حل الفضل وانتظر ما یأتی

اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے۔ تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو۔ اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو۔

وثالثا هذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول اذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم رواه مسلم

ثالثاً یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں جب جنس مختلف ہو۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں

Marfat.com

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

[illegible] **و رابعًا** منہ دلائل واضحۃ لا تخفی حتّٰی علی الصّبیان ولٰکن اتمک بشئ یکون لک فیہ مجال تکلم بحسب عقلک ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصّواب ۔

[illegible] **فاقول** ارأیتک ھل لیس من المعلوم عندک وعند کل من لہ عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیہ بین الناس بعشرۃ دراھم یجوز لکل احد ان یبیعہ برضا المشتری بمائۃ او یعطیہ بفلس واحد ولا حجر فی شئ من ذٰلک عن الشرع المطھر قال اللہ تعالیٰ

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ وکل احد یعلم ان قطعۃ قرطاس لا تبلغ قیمتہ الفا ولا مائۃ ولا درھما ولا

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے ؟

[illegible] **رابعًا** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں ۔ اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو ۔ پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں ۔

[illegible] **اقول** بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی علم کو معلوم نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اس کے سو روپے لے لے یا ایک پیسہ کو دیدے ۔ اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ۔ ۔ مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا ۔ اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا ۔ جیسا کہ اوپر گزرا ۔ کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا ۔ جائز ہے ۔ اور اصلا مکروہ بھی نہیں ۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے ۔ نہ سو تک ۔ نہ ایک پیسہ تک

Marfat.com

فما ذلك الا لان القيمة والثمن متغايران ولا يجب عليهما التقيد بها فيما ثامنا بل لهما ان يقدرا الثمن باضعاف القيمة او بجزء من مائة جزء لها

اعتراض من جانب الخصم وجوابه الاول

فان قلت هذا في السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا قلت اولا نكان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غيرهما ليس مُكرِهًا لهما فضاع الفرق وضاء الحق - وثانيًا ان سلمنا انهما لا يقدران على ابطال الثمنية فمن اين لك ان الاثمان الاصطلاحية لا يمكن التغيير فيها عن التقدير المصطلح الا ترى ان فلوس ربية متعينة بتعيين العرف ابدا فكل صبي عاقل يعقل ان ربية بست عشرة آنة لا بخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم هذا التعيين العرفي وكونها اثمانا مصطلحة لا يحرم على العاقدين النقص والزيادة قال في التنوير وشرحه للعلائي

تو اسکا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو آنکو باہم قرار داد ہو) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں - یا اوسکے سیکڑوں حصہ پر •

مخالف کا اعتراض اور جواب اول

اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے - اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے - میں کہوں گا اوّلا پھر کیا ہوا - تو نے اصطلاح کہکر خود ہی جواب ظاہر کر دیا - کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی - تو فرق ضائع ہوا - اور حق واضح ہوگیا - ثانیًا ہم نے مانا کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں - تو یہ تو نے کہاں سے نکالا - کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغیر جائز نہیں - کیا تو نہیں دیکھتا - کہ ایک روپے کے پیسے عُرف کی تعین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں - کہ ہر سمجھ وال بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے - نہ پندرہ کا نہ سترہ کا - پھر یہ عُرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا - تنویر الابصار اور اوس کی شرح درمختار میں فرمایا

Marfat.com

من اعطى صيرفيا درهما كبيرا فقال اعطنى به نصف درهم فلوسا و نصفا الا حبة صح و يكون النصف الا حبة بمثله و ما بقى بالفلوس اھ و لفظ الهداية لو قال اعطنى نصف درهم فلوسا و نصفا الا حبة جاز۔

وثالثا۔ اغل عن الثمن الاصطلاحى هذان جعلا ثمنان خلقة ولا يقدر احد على ابطال ثمنيتهما و قد عقل كل من عقل ان الدينار يساوى ابدا عدة دراهم ولا يوجد دينار قط يقوم بدرهم واحد و مع ذلك نص ائمتنا ان بيع دينار بدرهم صحيح لا ربا فيه وما ذلك الا لان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس القروش والتانبى مما لا يجهله الا مجنون قال فى الهداية والدر وعامة الاسفار الغر صح بيع درهمين و دينار بدرهم و دينارين لصرف الجنس بخلاف جنسه و كذا بيع احد عشر درهما بعشرة دراهم و دينار اھ

جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اسکے عوض مجھے آٹھ آنہ کے پیسے دیدے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو۔ وہ تو اس کے عوض ہو جائیگی۔ اور باقی کے عوض پیسے انتہی اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے۔ کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دیدے اور رتی کم اٹھنی۔ تو جائز ہے ◆

ثالثا ثمن اصطلاحی سے اوپر چل۔ یہ ہیں سونا چاندی۔ کہ اصل پیدائش میں ثمن ہیں۔ اور کوئی شخص انکی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے۔ اور ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائیگی جو ایک روپیہ قیمت کی ہو۔ اور باوصف اسکے ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپیہ کو بیچنا صحیح ہے۔ اور اسمیں اصلاً ربا نہیں۔ اور اس کے سوا اسکا کوئی سبب نہیں۔ کہ جب جنس مختلف ہیں۔ تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا۔ دو روپوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے۔ کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کر دیجائیگی۔ اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی

Marfat.com

قال ابن عابدین فتکون العشرة بالعشرة والدرهم بدینار اھ فاذا صح بیع ربیة بجنیة قیمته بالعرف العام خمس عشرة ربیة ولم یکن ربا فکیف یکون بیع نوط مرقوم علیه رقم عشرة باثنتی عشرة ربیة ربا ماھذا الابھت بحت

فان قلت ما ذکرتم من المسائل وان صح البیع فیھا لکنه مکروہ والمکروہ ممنوع فلا یحل وان صح کذا ھذا قال فی الھدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذھبا بذھب واحدھما اقل ومع اقلھما شئ اٰخر تبلغ قیمته باقی الفضة جاز البیع من غیر کراھیة وان لم تبلغ فمع الکراھة وان لم یکن له قیمة کالتراب لایجوز البیع لتحقق الربا اذ الزیادة لا یقابلھا عوض فیکون ربا اھ واقرہ فی الفتح والشروح والبحر ورد المحتار وغیرھا ومعلوم ان مطلق الکراھة ینصرف الی کراھة التحریم بل قال عبدالحلیم

ردالمحتار میں فرمایا۔ دس روپے تو دس روپے کے بدلے ہوجائیں گے۔ اور گیارہواں روپے کے بدلے ایک اشرفی۔ انتہی۔ تو جب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہو جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں۔ اور ربا نہ ہٹا۔ تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچا کیونکر سود ہوگا۔ یہ تو نرا بہتان ہے ٭

اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کیے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہی مگر مکروہ ہے۔ اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے۔ تو حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ صحیح ہٹا۔ ایسے ہی یہاں بھی۔ ہدایہ میں فرمایا۔ اگر چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے سے بیچا۔ اور ایک طرف کم ہے۔ اور اُس کیساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلاکراہت جائز ہے۔ اور اگر اُتنی قیمت کی نہیں۔ تو کراہت کے ساتھ اور اگر اوسکی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی۔ تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی۔ کہ سُود موجود ہے۔ اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اوس کے مقابل دُوسری طرف کچھ نہیں۔ تو سود ہوگا۔ انتہی۔ اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور ردالمحتار وغیرہا میں برقرار رکھا۔ اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اوس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ علامہ عبدالحلیم

Marfat.com

علی الدر بعد نقل المسئلة واحالة
تفصیلها علی الفتح مانصه اذا
عرفت هذا فما یتداول فی الدولة
العثمانیة من بیع قرش واحد بثمانین
درهما عثمانیا لم یجز لزیادة القرش
ولو کان مع الدراهم نحو فلس
جاز مع الکراهة فالواجب علی
المحتاط تسویتهما وزنا او یکون
قیمة ماکان مع الدراهم قدر
قیمة الزیادة حتی یخلص عن عهدة
الکراهة اه فقد صرح بالوجوب
فکان فی خلافه کراهة تحریم و
کفی بها للتاثیم قلت جئت
لك بتقریر الاعتراض بما لو ابدیته
من نفسك لعلك لم تقدر علی
احسن منه والان اسمع الجواب
بتوفیق الوهاب عز جلاله :

حاشیہ در میں یہ مسئلہ نقل کیا - اور اوسکی تفصیل
کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا - جب تجھے
یہ معلوم ہوچکا - تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں
رائج ہے - کہ ایک قرش اسّی روپے عثمانی کو
بیچتے ہیں جائز نہیں - اسلئے کہ قرش زائد ہے
اور اگر روپیں کیساتھ شلاً ایک پیسہ ہو - تو کراہت
کے ساتھ جائز ہے - تو احتیاط والے پر واجب
ہے کہ اون دونوں کا وزن برابر کرلے - یا وہ
چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اوسکی قیمت
کی ہو جسقدر قرش میں روپیں پر زیادتی ہے تاکہ
کراہت سے عہدہ برآ ہو - انتہی - تو ادنہوں نے وجوب
کی تصریح کردی - تو اسکا خلاف مکروہ تحریمی ہوا
اور گناہ کیلئے کراہت تحریم کافی ہے میں کہونگا
کہ تیرے لیے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر
تقریر کردی - کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید
اس سے بہتر نہ کرسکتا - اور اب وہاب جل
جلالہ کی توفیق سے جواب سُن :-

سلب المنفعة من غیر تغییر

اما اولا فلانه این ذهب
عنك فرق الخلق والاصطلاح
فان مالیة الذهب وکونه
اعز من اضعاف وزنه من
الفضة امر خلقی لا مدخل
فیه لغرض احد ولقدیره ففی مقابلة

سونے چاندی میں فرق خلقی ہے

اوّلاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے
ذہن سے کدھر جاتا رہا - کہ
سونے کی مالیت اور اوس کا
چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی
بات ہے - جس میں کسی کے
غرض و قرار داد کو دخل نہیں تو ایک

Marfat.com

دینار بدرهم يتقدم رجحان المالية في كل ذهن بخلاف النوط فان تقديره بعشرة مثلا انما هو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لا يساوي درهما ولا عشره فان نظرت الى الاصل فبيم ما قدر بعشرة بعشرة ايضا رجحان عظيم في المالية وان نظر الى الاصطلاح فالاصطلاح غير حاكم على العاقدين كما اسمعناك نص الهداية والفتح فاذا قدره الناس بعشرة وما هو في اصله الا بفلس مثلا فما المانع لهما ان يقدراه باثني عشر فصاعدا او ثمانية فما دونها فلا مساس لهذه المسالة بما نحن فيه

وَاَمّا ثانيا فلان كلامهم في مقابلة الجنس بالجنس اذ فيه يظهر الفضل الا ترى الى قوله تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل ولم يقل تبايعا فضة بذهب واحدهما اقل مالية بالسعر المعهود فاذا قوبل الذهب

اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائیگی۔ بخلاف نوٹ کے۔ کہ مثلاً اوس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے۔ ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپے کا ہے۔ نہ روپے کے دسویں حصہ کا۔ تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے۔ اور اگر اصطلاح کو دیکھیں۔ تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں۔ جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ اور فتح القدیر کا نص سنا دیا۔ تو جب لوگوں نے ایسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں ایک ہی پیسے کا ہے۔ تو بائع و مشتری اس سے کون منع کرتا ہے کہ وہ اوسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھیرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری بحث سے کوئی علاقہ نہیں

ثانیاً۔ انکا کلام اوس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو۔ کہ اوسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا کہ جب چاندی چاندی سے۔ یا سونا سونے سے بیچا۔ اور ایک طرف کمی ہے۔ اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا۔ اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا

بالذهب المساوی له ظهر الفضل و
حينئذ يميز العقل ان المضاف
هل يبلغ مقدار هذا الفضل اولا
بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان
مختلفان فانی يظهر الفضل ومتی
يطابق الفرع الاصل قال فی الفتح
الربا هو الفضل المستحق لاحد
المتعاقدين فی المعاوضة الخالی
عن عوض شرط فی العقد وعلمت
ان الخلو فی المعاوضة لا يتحقق
الا عند المقابلة بالجنس اھ
وقد قال سيدنا رسول الله صلی
الله تعالیٰ عليه وسلم اذا اختلف النوعان
فبيعوا كيف شئتم فهذا اطلاق
منه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و
هو الشارع واليه المرجع واليه
المفزع ومن حجر بعده ما سوغه
فيرد عليه ولا يسمع

وَاَمّا ثالثًا فانّ الكراهة
فيما اذا لم يبلغ المضموم قيمة
الفضل انما اثرت عن محمد
اما الامام الاعظم والهمام الاقدم
وصاحب المذهب الاكرم رضی الله تعالیٰ عنه

اپنے برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائیگا زیادتی ظاہر ہوجائیگی۔ اور اوسوقت عقل یہ تمیز کریگی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں بخلاف اوسکے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں۔ تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی۔ اور یہ فرع اوس اصل کے کیونکر مطابق آئیگی۔ فتح القدیر میں فرمایا ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اوسکا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اوس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو۔ اور تجھے معلوم ہولیا کہ عوض سے خالی ہونا اسیوقت متحقق ہوگا کہ ایک شے کا اسکی جنس سے مقابلہ کیا جائے اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ تو یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں۔ اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور کی یہاں پناہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو کوئی منع کرے تو اوسکا منع کرنا اوسی پر رد کیا جائیگا۔ اور مسموع نہ ہوگا

ثالثًا جس حالت میں کم کیساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

فقد نص على عدم الكراهة فيه قال
في الفتح بعد ذكر المسألة قيل لمحمد
كيف تجده في قلبك؟ قال مثل الجبل
و لم ترو الكراهة عن ابي حنيفة بل
صرح في الايضاح انه لا باس به عند
ابي حنيفة اه وسيأتي في مثله
عن البحر عن القنية عن البقالي ان
عدم الكراهة هو مذهب ابي حنيفة
و ابي يوسف معا رضي الله تعالى عنهما
و في الهندية قبيل الكفالة عن
محيط السرخسي عن محمد رحمه الله تعالى
انه قال لو باع الدرهم و في احدهما
فضل من حيث الوزن و في الآخر فلوس
جاز ولكن اكرهه لان الناس يعتادون
التعامل بمثل هذا و يستعملونه
فيما لا يجوز وقال ابو حنيفة رحمه
الله تعالى لا باس به لانه امكن تصحيحه
بان يجعل الفضل بازاء الفلوس

مطلب الفتوى على قول الامام على الاطلاق الا لضرورة

وبالجملة النقل عن الامام فاش
مستفيض ومعلوم ان العمل
والفتوى على قول الامام على
الاطلاق الا لضرورة كتعامل
بخلافه ونحوه وقد فصلناه في كتاب التكلم

تصریح زبانی کہ اوس میں کچھ کراہت نہیں۔ فتح القدیر
میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا۔ امام محمد سے عرض کیگئی
کہ اسکو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ
کی طرح گراں۔ اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں۔
بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی۔ کہ اوسمیں امام اعظم کے
نزدیک کچھ ہرج نہیں۔ انتہی۔ اور اس صورت کی مثل
میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا
کہ اسمیں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف
رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا مذہب ہے۔ اور فتاوی
عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام
سرخسی امام محمد سے ہے۔ کہ اگر ایک روپیہ
ایک روپیہ کو بیچا۔ اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور
کم وزن والے کیساتھ کچھ پیسے ہیں۔ تو جائز ہے۔ مگر
میں اوسے مکروہ سمجھتا ہوں۔ کہ لوگ اس قسم کے
معاملے کے عادی ہوجائیں گے۔ پھر ناجائز جگہ
بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے۔ اور امام اعظم نے فرمایا
اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس واسطے کہ اوسے یوں صحیح
ٹھیرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہوجائے

فتوی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر بضرورت

بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور
معلوم ہے کہ عمل و فتوے ہمیشہ قول امام پر
ہے۔ مگر کسی ضرورت سے جیسے کہ عملدرآمد
مسلمانوں کا اوسکے خلاف پر ہوگیا ہو۔ اور
ایسی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب الشکل میں

من العطایا النبویۃ بما لا مزید علیہ

[illegible]

وَامّا رابعا و ھو الطراز المعلم فلان الحق ان ھٰذہ الکراھۃ لیست[1] الا کراھۃ تنزیہ ولا تحتر بالاطلاق

اسے ایسا مفصل بیان کیا ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں،

[illegible]

رابعًا ۔ اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ یہ کراہت[1] صرف کراہت تنزیہی ہے ۔ کراہت کے مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا

---

[1] اقول محمد وما ادراک ما محمد محمد سید مسود محرر المذھب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی ھو من کتب ظاھر الروایۃ اذا کانت ھٰذہ الدراھم صنوفا مختلفۃ منہا ما ثلثاھا فضۃ ومنہا ما ثلثاھا صفر ومنہا نصفہا فضۃ فلا بأس ببیع احدھا بالاخر متفاضلا یدا بید بصرف فضۃ ھذا الی صفر ذلک وبالعکس کما لو باع صفرا وفضۃ بصفر وفضۃ ولا یجوز نسیئۃ لانہ یجمع الوزن وھما ثمنان فیحرم النسأ وامّا اذا باع جنسا منہا بذلک الجنس متفاضلا فان الفضۃ غالبۃ لا یجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضۃ فلا یجوز الا مثلا بمثل ولو الصفر غالبا او کانا علی السواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسہ ویشترط کونہ یدا بید نقلہ فی فصل السادس من بیوع الذخیرۃ وقال علی ھذا قالوا الیوم فی العدلیات التی فی زماننا واحد باثنین یجوز یدا بید اھ اقول والجواز التفاضل یشمل واحدا باثنین وبمائۃ وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاہ صفر فی الوزن ثلثۃ او بلغ ما نصفہ فضۃ فیکون ثلثا ذاک ونصف ھذا متساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاک بعشرۃ الاف من ھذا یدا بید ولا بد من ان الصفر فای ابیاع فی المالیۃ تفید الکثیر من ھذا (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۸۲)

[1] اقول محمد وہ تو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں سردار کئے گئے مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے۔ وہ جامع کبیر میں کہ کتب ظاہر الروایہ سے ہے فرماتے ہیں جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو کسی میں دو تہائی پیتل کسی میں آدھوں آدھ چاندی تو انھیں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کیساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اسلئے کہ ایک کی چاندی کو دوسرے کے پیتل سے بیچنا قرار دینگے۔ اور اسکی چاندی اسکے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے۔ ہاں ادھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے۔ اور دونوں ثمن ہیں۔ تو ادھار حرام ہے۔ ہاں انہیں کسی قسم کا روپیہ اسی قسم کے روپیہ سے کمی بیشی کو بیچنا۔ ایسیں اگر ان روپیوں میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہوتا ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی۔ اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کا مقابلہ کریگی اور دست بدست ہونا ضرور ہوگا۔ کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ بامیا تھا ہو یعنی تعیین شرط ہوگی۔ اسے فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا۔ اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں انھیں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے اھ۔ اقول اور جبکہ کمی بیشی روا ہوئی۔ تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ایسے ہی سو۔ ولیسے ہی ہزار روپے کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جسمیں دو تہائی پیتل ہے تول میں ایس روپے کا پونا ہے جسمیں آدھی چاندی ہے۔ تو اُسکی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے۔ اور انھیں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جنس کرم

[illegible]

[illegible]

فانهم ربما يطلقون ويريدون به ما هو اعم من التنزيه والتحريم وربما يطلقون ولا يريدون به الا كراهة التنزيه كما لا يخفى على من عاش نفائس عرائس كلماتهم وقد نصوا عليه في غير موضع قال في ردّ المحتار قبيل باب الشهيد ما ذكره غيره اى غير الامام الطحطاوي من كراهة الوطء والقعود اى على القبور يراد به كراهة[1] التنزيه في غير قضاء الحاجة وغاية ما فيه اطلاق الكراهة على ما يشمل المعنيين وهذا كثير في كلامهم ومنه قولهم مكروهات الصلوة اهـ

[illegible]

کہ فقہا بارہا اسے مطلق چھوڑتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ معنی لیتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں۔ اور بارہا مطلق بولتے ہیں۔ اور اوس سے صرف کراہت تنزیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اوس پر پوشیدہ نہیں جس نے اونکے کلمات کی نفیس دلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہو۔ اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی۔ رد المحتار میں باب شہید سے کچھ پہلے ہے امام طحطاوی کے سوا اور علماء نے جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اوس سے کراہت تنزیہ مراد ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسمیں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ اونکے کلام میں بکثرت ہے۔ اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا۔ انتہی۔

(بقیہ حاشیہ ص۲) وهذا الحمل للمذهب لمحمد ناصا على انه لا بأس به فوجب ان لا تكون الكراهة ان كانت الا كراهة تنزيه ولا كلام لاحد بعد نص صاحب المذهب فعليك به وبالله التوفيق ۱۲

[1] هذا ما مال اليه هنا والحق كراهة التحريم كما حققته في رسالتي الامر باحترام المقابر وقد اعترف به هذا المحقق اعني الشامي في كتابه هذا في فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا على ان المرور في سكة حادثة في المقابر حرام اهـ منه

اور یہ تحریر مذہب محمد ہے کہ صاف فرماتے ہیں کہ اسمیں کوئی حرج نہیں۔ تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو۔ تو صرف کراہت تنزیہی ہو۔ اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق

[1] یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے۔ اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ میں اس کی تحقیق کی۔ اور بیشک محقق شامی خود اپنی اس کتاب کی فصل استنجا میں اسکے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکالا ہو اوس میں چلنا حرام ہے انتہی ۱۲ منہ

بل قال فی الدر المختار من فصل
الاستنجاء تحت قول الماتن یکرہ
للمرأۃ امساک صغیر لبول نحو القبلۃ الخ
ھذہ تعم التحریمیۃ والتنزیھیۃ اھ
وقال الشامی فی مکروھات الوضوء
لیست الکراھۃ مصروفۃ الی التحریم
مطلقا اھ وقال قبلہ بقلیل تحت
قولہ ومکروھہ ھو ضد المحبوب
قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ
تحریما وعلی المکروہ تنزیھا ثم
نقلا عن البحر الرائق المکروہ فی ھذا
الباب نوعان ما کرہ تحریما وھو
المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ و
المکروہ تنزیھا وکثیرا ما یطلقونہ
کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا
ذکروا مکروھا فلا بد من النظر فی
دلیلہ فان کان نھیا ظنیا یحکم
بکراھۃ التحریم الا لصارف فان
لم یکن نھیا بل مفیدا للترک الغیر
الجازم فھی تنزیھیۃ اھ ملخصا
قلت ومن الاخیر قول المتون کالتنویر
وغیرہ یکرہ امامۃ عبد قال فی
الدر تنزیھا قال ابن عابدین لقولہ

بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے
اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو
پیشاب کیلئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا یہ
کراہت تحریم و تنزیہ دونوں کو عام ہے انتہی۔
اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا۔کراہت
مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی اور
اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے
مکروہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی
اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے۔اور کبھی مکروہ
تحریمی پر۔اور کبھی مکروہ تنزیہی پر۔پھر بحرالرائق
سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں
ایک مکروہ تحریمی۔اور جب وہ کراہت کو مطلق
رکھتے ہیں۔تو اسی پر محمول ہوتی ہے۔دوسرا
مکروہ تنزیہی۔اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے
ہیں۔جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔اور جب بات
یہ ہے تو جس وقت فقہا کسی شئے کو مکروہ کہیں۔تو
اُسکی دلیل پر نظر لازم ہوگی۔اگر وہ دلیل کوئی ظنی
نہی ہے۔تو کراہت تحریم کا حکم دینگے۔مگر کسی اور
دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے۔اور اگر وہ
دلیل نہی نہ ہو۔بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہو۔تو وہ کراہت
تنزیہی ہے انتہی ملخصاً۔میں کہتا ہوں قسم اخیر سے ہے
متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ
ہے۔درمختار میں فرمایا تنزیہاً۔شامی نے کہا

فی الاصل امامة غیرهم احبّ الیّ بحر عن المجتبیٰ والمعراج اھ

مطلب (۳) بیان ان الکراهة ... تنزیهیة

اذا علمتَ هٰذا وجب الفحص عن الدلیل انه الیٰ ایّ الکراهتین یمیل کما افاده البحر فی البحر فرأیناهم یستدلون علی الکراهة المذکورة بوجهین لا یفید شئ منهما کراهة التحریم وانما قصاریهما التنزیه قال فی العنایة الکراهة امّا لانه احتیال لسقوط الرّبا فیصیر کبیع العینة فی اخذ الزّیادة بالحیلة واما لانه یفضی الی ان یألف النّاس فیستعملوا ذلک فیما لا یجوز اھ ونقل فی الفتح عن الایضاح الوجه الثّانی ثمّ قال وهٰکذا ذکر فی المحیط ایضاً ثمّ قال وقیل انما کرهه لانهما باشرا الحیلة الی اٰخر ما مرّ فی الوجه الاوّل وصاحب العنایة بعد ذکره الوجهین عاد فحصر فی الوجه الاول حیث قال الکراهة انما هی للاحتیال لسقوط الربا الفضل اھ

اسکے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا اور کی غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے۔ یہ بحرالرائق میں مجتبیٰ اور معراج سے ہے اھ

بیان (۳) اس امر کا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے

جب تجھے یہ معلوم ہولیا۔ تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحرالرائق میں افادہ فرمایا۔ اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اسلئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہوجائیگا۔ کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا۔ اور یا اسلئے ہے کہ لوگ اوسکے خوگر ہوجائینگے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگینگے اھ اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا۔ کہ اونہوں نے ایک حیلہ کیا۔ وُہی تقریر جو وجہ اوّل میں گذری۔ اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اوّل میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اسوجہ سے ہے۔ کہ اونہوں نے اس زیادتی سے ربا کے دفع کا حیلہ کیا تھا

Marfat.com

وعلیہ اقتصر فی الکفایۃ قال انما کرہ لانہ احتیال لسقوط الربا لیأخذ الزیادۃ بالحیلۃ فیکرہ کبیع العینۃ فانہ مکروہ لھذا اھ وانت تعلم ان فی الوجہ الثانی ترک ما لا باس بہ حذرا مما بہ باس فھو مقام الورع وترک الورع لا یوجب کراھۃ تحریم وقد قال یفضی الی ان یألفوہ فیستعملوہ فیما لایجوز فافاد ان ھذا استعمال فیما یجوز وانما کرہ خشیۃ التجاوز الی ما لایجوز واما الوجہ الاول فابین واظھر فان الاحتیال لسقوط الربا فرار عنہ وھو غیر ممنوع بل الممنوع الوقوع فیہ وقد علم علماؤنا رحمھم اللہ تعالی عدۃ حیل لتحصیل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لھا الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی فتاواہ فصلا مستقلا فقال فصل فیما یکون فرارا عن الربا۔ وقال فیہ رجل لہ علی رجل عشرۃ دراھم فاراد ان یجعلھا

اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا۔ کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنیکا حیلہ ہے۔ تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے۔ تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے۔ انتہی۔ اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اسقدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اوس چیز کو چھوڑے جسمیں خرابی نہیں۔ تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی۔ اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائیگی کہ اوس کے عادی ہو جائیں۔ تو ناجائز جگہ بھی اوسے برتنے لگیں۔ تو صاف بتا دیا۔ کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی۔ کہ بڑھکر ناجائز تک پہنچ جائیں رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہر کہ ربا ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں۔ بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے۔ اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالے نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں۔ کہ زیادہ لیں۔ اور سُود نہ ہو۔ اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے تو اپنے فتاوے میں اسکے لئے ایک مستقل فصل وضع کی فرمایا کہ یہ فصل ہے اون باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز ہیں۔ اور اوس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اوس نے یہ چاہا کہ میں دس کے

ثلثة عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون فیمًا بها ت العشرة ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام ومثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه امر بذلك اھ ومثله فی البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقیه ابی اللیث رحمه الله تعالیٰ۔

حیلہ ثانیہ

قال فی الخانیة رجل طلب من رجل دراهم لیقرضه بدله دوازده فیضع المستقرض متاعًا بین یدی المقرض بعت هذا المتاع بمائة درهم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراهم ویاخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی هذا المتاع بمائة وعشرین فیبیعه یحصل للمستقرض مائة درهم ویعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة وعشرون درهمًا ولا وثق والاحوط ان یقبل المستقرض للمقرض بعد ما قرر المعاملة کل مقالة وشرط کان بیننا

تیرہ کروں ایک میعاد تک۔ علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے اون دس کے عوض کوئی چیز خرید لے۔ اور اوسپر قبضہ کرلے۔ پھر وُہی چیز اوس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچڈالے۔ تو حرام سے بچ جائے گا۔ اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ انتہی۔ اور اسی طرح بحر الرائق نے بحوالۂ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے۔

دوسرا حیلہ

دوسرا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور پر کہ دینے والے کو دس کے بارہ لیں۔ تو یوں چاہئے۔ کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اوس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی۔ قرض دینے والا خرید لے۔ اور روپے اوسے دیدے اور متاع پر قبضہ کرلے پھر قرض لینے والا اوس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال۔ وہ بیچ کردے۔ تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں۔ اور اوسکی متاع بھی اوسکے پاس واپس آئے۔ اور قرض دینے والے کا اوس پر ایک سو بیس لازم ہوں اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرار داد کرکے یوں کہے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھیری تھی

فقد ترکته ثم یعقدان بیع المتاع اه

حیلہ ثالثہ

ثم قال فان کان المتاع للمقرض ولیس للمستقرض شئ ویرید ان یقرضه عشرة بثلثة عشر الی اجل فان المقرض یبیع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ولیسلم السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیع السلعة من اجنبی بعشرة ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبی یبیع السلعة من المقرض بعشرة ویاخذ العشرة منه ویدفعها الی المستقرض فیبرؤ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض وتصل السلعة الی المقرض بعشرة وللمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل اه

حیلہ رابعہ

ثم قال وحیلة اخری ان یبیع المقرض من المستقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم ویدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعها المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض او بعده ثم یبیعها

دونوں نے چھوڑی پھر متاع کی خرید و فروخت کر لی تھی

حیلہ ثالثہ

تیسرا حیلہ یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع ابھی نہیں۔ اور دینے والا چاہتا ہو کہ دس روپے قرض دے۔ اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اوس سے وصول کرے۔ تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اوس کے قبضہ میں دیدے۔ پھر قرض لینے والا اوس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس روپے کو بیچے۔ اور وہ متاع اوس اجنبی کو دیدے۔ وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس روپے کو بیچ ڈالے۔ اور وہ اجنبی اوس سے دس روپے لیکر قرض لینے والے کو دیدے۔ تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا۔ وہ اتر جائیگا۔ اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اوس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے۔ انتہی ◆

حیلہ رابعہ

چوتھا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے۔ اور اوس کے قبضہ میں دیدے۔ اور قرض لینے والا اوسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے۔ پھر قرض لینے والا اوس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کر لے خواہ متاع اوس کے قبضہ میں دی ہو۔ یا نہ دی ہو۔ پھر

Marfat.com

المستقرض من المقرض بعشرة و يأخذ العشرة فيحصل للمستقرض عشرة وعليه للمقرض ثلثة عشر وتحصل السلعة الى المقرض و المقرض وان صار مشتريا ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن الا ان ذلك جائز لتخلل البيع الثانى وهو البيع الذى جرى بين المستقرض والاجنبى اھ ثم قال وحيلة أُخرى ان يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ويدفع السلعة الى المستقرض ثم ان المستقرض يبيعها من غيره باقل مما اشتراه ثم ذلك الغير يبيعها من المقرض بما اشترى لتصل السلعة اليه بعينها و يأخذ الثمن ويدفعه الى المستقرض فيصل المستقرض الى القرض ويحصل الربح للمقرض اھ

زدنا نقله على الخانية

اقول هذه هى الحيلة الثالثة المارة قال وهذه الحيلة هى العينة التى ذكرها محمد رحمه الله تعالى وقال مشائخ بلخ بيع العينة فى زماننا خير من

قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اوسی دس کو بیچ تو قرض لینے والے کو دس روپے ملینگے۔ اور دینے والے کے اوسپر تیرہ[۱۳] لازم ہونگے۔ اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائیگی۔ قرض دینیوالے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جسقدر کو بیچی تھی۔ اوس سے کم کو خرید لی۔ مگر یہاں یہ جائز ہے اسواسطے کہ بیچ میں دُوسری بیع آگئی۔ وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی۔ انتہیٰ پھر ایک اور حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع اودھار بیچے اور متاع اوس کے قبضہ میں دیدے۔ پھر قرض لینیوالا اوس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اوتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی۔ پھر وہ دوسرا شخص اوس قرض دینے والے کے ہاتھ اوتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اوسے پہنچ جائے۔ اور اوسی سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض ملجائیگا۔ اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔ انتہیٰ ✦

زیادتی امام قاضی خاں پر

اقول ۔ یہ وُہی تیسرا حیلہ ہے جو گذر چکا ۔ امام قاضی خاں نے فرمایا کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جسکو امام محمد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے ذکر فرمایا۔ اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ اون بیعوں سے

البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن
ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ انه قال
العینة جائزة ماجورة وقال اجره
لمکان الفرار من الحرام اھ

حیلہ نمبر ۵
ثم قال رجل له عشرة دراهم
صحاح فاراد ان یبیعها باثنی
عشر درهما مکسرة لایجوز
لانه ربا فان اراد الحیلة
یستقرض من المشتری اثنی عشر
درهما مکسرة ثم یقضیه عشرة
جیادا ثم ان المقرض یبرئه عن
درهمین فیجوز ذلك اھ

حیلہ نمبر ۶
ثم قال ولو کان له علی رجل
عشرة دراهم مکسرة الی اجل
فلما حل الاجل جاء المدیون
بتسعة صحاح فقال هٰذه
التسعة بتلك العشرة لایجوز
لانه ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة
بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی
فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن
الدرهم الباقی یدفع الی صاحب
الدین تسعة دراهم صحاحا وفلسا
او شیئا یسیرا عوضا عن الدرهم الباقی

کہ ہمارے بازاروں میں آجکل مروج ہیں بہتر ہے۔ اور امام
ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں
نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اوسپر ثواب ملیگا اور فرمایا ثواب
کی وجہ یہ ہے کہ اوس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔ انتہی

حیلہ نمبر ۵
پانچواں حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص کے پاس
دس روپے صحیح ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان کو
بارہ روپے چھوٹے ہوؤں سے بیچے۔ تو
یہ جائز نہیں کہ سود ہے۔ پھر اگر وہ حیلہ چاہے
تو چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے چھوٹے ہوئے
قرض لے۔ پھر دس کھرے اوسکو ادا کر دے۔ پھر
وہ اسے باقی دو روپے معاف کر دے۔ تو
یہ جائز ہے۔ انتہی۔

حیلہ نمبر ۶
چھٹا حیلہ یہ فرمایا۔ اگر کسی شخص پر دس
روپے چھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے
تھے۔ جب وعدہ کا وقت آیا۔ مدیون نو
روپے کھرے لایا۔ اور کہا۔ کہ اون دس کے
بدلے یہ نو ہیں۔ تو یوں جائز نہیں۔ اسلئے کہ یہ
سود ہے۔ تو اگر حیلہ چاہے۔ تو نو کے بدلے نو
لیلے۔ اور ایک معاف کر دے۔ پھر اگر مدیون
کو اندیشہ ہو۔ کہ وہ ایک جو باقی رہا۔ یہ معاف
نہ کریگا۔ تو قرضخواہ کو نو روپے کھرے
اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اوس
باقی روپے کے عوض دے دے۔

جاز ذٰلك ويقع الامن اه وفيها
فوائد لاتخفی علیك وسننبه علیها
فيما يأتی انشاء الله تعالیٰ وكفانا
تشبيهه فی الوجه الاول ببيع العينة
وقولهم فانّه مكروه لهٰذا وذٰلك
لانّه لا يكره الّا تنزيها فكذا
هٰذا ولا يهولنك قول امام
محمّد انّه يجده مثل الجبل
فانّه قال مثله بل اشدّ منه
فی العينة وما ثبت لها الّا كراهة
التنزيه قال فی ردّ المحتار
عن الطحطاوی عن ابی يوسف العينة
جائزة ماجور من عمل بها كذا
فی مختار الفتاوی هندية وقال
محمّد هٰذا البيع فی قلبی كامثال
الجبال ذميم اخترعه اكلة الرّبا
وقال عليه الصّلٰوة والسّلام اذا
تبايعتم العينه واتّبعتم اذناب
البقر ذللتم وظهر عليكم عدوّكم
قال فی الفتح ولا كراهة فيه الّا
خلاف الاولیٰ لما فيه من الاعراض
عن مبرّة القرض اه واقرّه عليه
فی البحر والنهر والدّر والشرنبلالية

تو اب جائز ہو جائیگا۔ اور وہ اندیشہ جاتا رہیگا انتہی اور
اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ
رہینگے۔ اور آئندہ تقریر میں انشاءاللہ تعالیٰ ہم اُنپر
گُذر کرینگے۔ اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اوسکو
بیع عینہ سے تشبیہ دی۔ اور علماء نے فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ
سے مکروہ ہے۔ اور یہ اسلئے کہ بیع عینہ نہیں مگر
مکروہ تنزیہی۔ تو ایسے ہی یہ بھی۔ اور امام محمد
کا یہ ارشاد کہ وہ انکے نزدیک پہاڑ کی طرح
گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ اونہوں نے
ایسا ہی بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ
میں فرمایا ہے۔ اور اوس کیلئے ثابت نہ ہوئی مگر
کراہت تنزیہ۔ ردالمحتار میں طحطاوی سے اوس میں عالمگیری
اوسمیں مختار الفتاوٰی اوسمیں امام ابو یوسف رحمہ
اللہ تعالےٰ سے ہے کہ عینہ جائز ہے۔ اسکے کرنیوالے
کو ثواب ملیگا۔ اور امام محمد نے فرمایا۔ اس بیع کی برائی
میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے۔ اسکو سود خواروں
نے ایجاد کیا۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو۔ اور بیلوں کی
دُم کے پیچھے چلو۔ تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن
تم پر غالب آ جائیگا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں
کوئی کراہت نہیں۔ سوا خلاف اولیٰ کے۔ اسلئے کہ اس
میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔
اور اُسے بحرالرائق اور نہرالفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ

Marfat.com

وغيرهما وقال ايضًا فی فتح القدير قال ابو يوسف لا يكره هذا البيع لانه فعله كثيرٌ من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم وحمدوا علیٰ ذلك و لم يعدّوه من الربا اهـ

اقول قول ابی يوسف رحمه الله فعله كثير من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم مرسل اصولی فانه عندنا ما لم يتصل سنده مطلقًا و الفرق بين انواعه وتسميتها مرسلا ومنقطعًا ومقطوعًا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثين لافادة ما يقع فيه من الصور اما الحكم فمتحد عندنا وهو القبول اذا كان من ثقة كما حققناه فی كتابنا منير العين فی حكم تقبيل الابهامين ونص عليه فی مسلم الثبوت وغيره و اَیُّ ثقة اوثق تريد مِنْ اَبی يوسف فاذا صح عن كثير من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فعله ومدحه لا يعدل عنه لان مذهب امامنا رضی الله تعالیٰ عنه تقليدهم رضی الله تعالیٰ عنهم

(حاشیہ: المرسل الاصولی والمحدثی)

وغیرہ نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اسے کیا۔ اور اوس کی تعریف کی۔ اور اوسے سُود نہ ٹھیرایا۔ انتہیٰ ؎

اقول امام ابو یوسُف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے کیا۔ اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اوس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو۔ اور اوسکی اقسام میں فرق کرنا اور اونکو جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی ایک نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اوسمیں کتنی صورتیں ہوتی ہیں۔ رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے۔ تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اوس کی تحقیق بیان کی۔ اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اوسکی تصریح فرمائی۔ اور امام ابو یوسف سے بڑھکر ثقہ اور کونسا ثقہ درکار ہے۔ تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے اوسکا کرنا اور اوسکی تعریف ثابت ہوئی۔ تو اوس سے عدول نہ ہوگا۔ اسلئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی تقلید ہے

(حاشیہ: مرسل اصولی و مرسل محدثین کا فرق)

و قد امرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم باقتدائهم •

اما الحديث اذا تبايعتم بالعينة رواه احمد و ابو داود والبزار وابو يعلى والبيهقي عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال ابن حجر سنده ضعيف و له عند احمد اسناد اخر امثل من هذا اه و في سنده ابو عبدالرحمن الخراساني اسحق بن اسيد الانصاري قال ابن ابي حاتم ليس بالمشهور و قال ابو حاتم لا يشتغل به و قال الذهبي جائز الحديث ثم اعاده في الكنى فعد الحديث من مناكيره و قال في التقريب فيه ضعف اه و بالجملة لا ينزل عن درجة الحسن و قد رمز الامام السيوطي في الجامع الصغير لحسنه وجاء من طرق كثيرة عقد لها البيهقي بابا في سننه و بين عللها •

قلت و ظاهر كلام الفتح ان محمدا احتج بهذا الحديث فاذن

اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اُن کی پیروی کا حکم دیا۔

رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کروگے۔ اسے امام احمد و ابوداؤد و بزار و ابویعلی و بیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے۔ اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔ اور ابو داؤد کی ابو عبدالرحمن خراسانی اسحٰق بن اسید انصاری ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا۔ وہ کچھ ایسے مشہور نہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا۔ اون سے کام نہ رکھا جائے اور ذہبی نے کہا۔ وہ جائز الحدیث ہیں پھر کنیتوں میں اونہیں دوبارہ ذکر کیا۔ تو اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ سے گنا۔ اور تقریب میں فرمایا کہ اون میں ضعف ہے۔ انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔ اور بیشک امام سیوطی نے جامع الصغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کے لیے بیہقی نے اپنی سُنن میں ایک فصل خاص وضع کی۔ اور اون کی علتیں بیان کیں و

اقول کلام فتح القدیر کا ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو یہ حدیث

Marfat.com

هو صحيح ولا شك لان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له كما افاده المحقق حيث اطلق فى التحرير وغيره فى غيره وعلى كل فليس فى الحديث ما يدل على منعه الا ترى الى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم معه واخذتم اذناب البقر اى حرثتم وزرعتم كما فسره به فى الفتح قال لانهم حينئذ يتركون الجهاد وتالف النفس الجبن اه بل هو فى نفس رواية ابى داود بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد الحديث الخ ومعلوم ان الزرع غير منهى بل هو افضل وجوه الكسب بعد الجهاد عند الجمهور وقيل التجارة ثم الزراعة ثم الصناعة كما فى وجيز الكردرى لاجرم لما احتج فى العناية بالحديث على ذمه قال العلامة سعدى افندى اقول لو صح ذلك تكون الزراعة مذمومة ايضا اه ولم يعلل الكراهة فى الهداية

مطلب افضل الكسب

تو وہ ضرور صحیح ہے۔ باسلئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے۔ تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علے الاطلاق نے تحریر اور اونکے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا۔ بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں۔ کیا اوس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے۔ کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو۔ یعنی کھیتی کرو۔ زراعت میں پڑو۔ جیسا کہ اسکی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی۔ فرمایا۔ اس لئے کہ وہ اسوقت جہاد چھوڑ دینگے۔ اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائیگی۔ انتہی۔ بلکہ وہ نفس روایت ابو داؤد میں ان لفظوں سے ہے۔ کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑ لو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ۔ اور جہاد چھوڑ دو۔ آخر حدیث تک۔ اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں۔ بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت پھر زراعت پھر حرفت۔ جیسا کہ وجیز کردری میں ہے ولہذا جبکہ غایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے۔ علامہ سعدی آفندی نے فرمایا۔ کہ میں کہتا ہوں۔ اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے۔ تو زراعت بھی مذموم ہو جائے گی۔ انتہی۔ اور ہدایہ

بیان افضل پیشہ

Marfat.com

والتبيين والدرّ وغيرهما الّا بالاعراض عن مبرة الاقراض زاد فى الهداية مطاوعة لمذموم البخل وانت تعلم ان الاعراض عن مبرة لا توجب كراهة تحريم ولذا قال فى الفتح لا باس فى هذا فان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائما بل هو مندوب اه وقال فى العناية الاعراض عن الاقراض ليس بمكروه والبخل الحاصل من طلب الربح فى التجارات كذلك والّا لكانت المرابحة مكروهة اه

بيع فى المماكسة مسنونة

اقول بل ليست التجارة الّا ان تبتغوا فضلا من ربكم والمماكسة فى المبايعة مسنونة وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم المغبون لا محمود ولا ماجور رواه اصحاب السنن عن الحسين بن علی والطبرانی فی الکبير عن الحسن بن علی والخطيب عن سيدنا علی کرم الله تعالٰی وجوههم الكرام فغاية ما فيه كراهة التنزيه

وتبیین و درمختار وغیرہا میں اس کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی۔ کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے روگردانی ہے۔ ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے۔ اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی موجب نہیں۔ لہٰذا فتح القدیر میں فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں۔ کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہےلیا۔ اور آدمی پر واجب نہیں۔ کہ ہمیشہ قرض دیا کرے۔ بلکہ وہ ایک نیک بات ہے۔ انتہٰی۔ اور عنایہ میں فرمایا۔ قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں۔ اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں اپنا نفع چاہے۔ وہ بھی ایسا ہی ہے۔ ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہٰی ۔

بیع میں مماکسہ کرنا سنت ہے

اقول۔ بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرے۔ اور خرید و فروخت میں کشش کرنا سنت ہے۔ اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ غبن کھانے میں نہ سراہی نہ ثواب۔ یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم الکرام سے روایت کی۔ تو اس میں نہایت درجہ کراہت تنزیہ ہے۔

Marfat.com

ولا فقد صح. ان الصحابة فعلوه وحمدوه ۔ فی حاشیة الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما الله تعالیٰ علی الدرر و المروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة ماجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانه فعله کثیر من الصحابة وحمدوا ذلك اھ وظاهر سیاقه ان جملة والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب من کلام الامام ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ والله تعالیٰ اعلم ھذه الحالة لابد علیه

الدلیل الثانی

والثانی تصریحهم قاطبة ان القدر والجنس اذا عدم احدهما حل الفضل ۔ و معلوم قطعا ان الدینار و الدرهم او الدینار والفلس لا یجانسان فیجب الحل فمن این تاتی الکراهة التحریم وتحقیقه ان للتفاضل اربع صور الاول

الصورة الاولیٰ

ان یکون الاکثر مالیة هو الاکثر قدرا و الثانی

ورنہ بصحت ثابت ہولیا۔ کہ صحابہ کرام نے اوسے کیا۔ اور تعریف فرمائی ۔ اور علامہ عبد الحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہا اللہ تعالے حاشیہ درر میں لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے۔ کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے۔ اسلئے کہ اوس حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اسلیئے کہ بکثرت صحابہ نے اوسے کیا۔ اور اوسکی تعریف فرمائی ۔ انتہی ۔ اور اون کی ۔۔۔ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے۔ کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے

دلیل دوم

دلیل دوم۔ تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو۔ تو زیادتی حلال ہے۔ اور یقینا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا۔ تو کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ

صورت اول

جس کی مالیت زیادہ ہو۔ اوسی کی مقدار زیادہ ہو۔ دوسری

Marfat.com

ان يكون اقل ولكن المالية بعد زائدة
بل اضعاف مضاعفة كالجنية مع
الرتبة والثالث ان يكون اقل الى
حد تنقص ماليته ايضا من البدل
والرابع ان يقل الى ان يتساوى
الماليتان وهم قاطبة قالوا عند
اختلاف الجنس حل التفاضل ولم
يقيد ولا بشيء من الصور اصلا
فيعمها جميعًا ولو كانت ثم كراهة
تحريم لم تحل الا صورة واحدة من
الاربع وهي الرابعة ثم هنا وجه
اخر ان يكون جنسان متحدي المالية
عند اتحاد القدر وهم قد حكموا
بحل التفاضل وهو يستلزم التفاضل
في المالية فوجب حله

الدليل الثالث

والثالث قوله صلى الله تعالى
عليه وسلم اذا اختلف النوعان
فبيعوا كيف شئتم فمن ذا الذي
يعده معصية ومكروها تحريمًا
مع اذن رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم فيه

الدليل الرابع

والرابع ما قدمنا انفا عن
الخانية انه يدفع فلسا عوضا

یہ کہ اوسکی مقدار تو کم ہو۔ مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو۔ بلکہ کئی گنا بڑھکر جیسے روپے کیساتھ اشرفی تیسری یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو۔ کہ اوسکی مالیت بھی اوس کے مقابل سے گھٹ جائے۔ اور چوتھے یہ کہ اوسکی مقدار اس حد تک کم ہو۔ کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں۔ اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو۔ تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور اوسکو کسی خاص صورت کیساتھ مقید نہ کیا۔ تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا۔ اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چار صورتوں میں صرف ایک حلال ہوتی۔ اور وہ چوتھی صورت ہے۔ پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں جب مقدار میں برابر ہوں تو انکی مالیت بھی یکساں ہے۔ اور علماء نے کمی بیشی حلال ہونیکا حکم فرمایا۔ اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے۔ تو اوسکا حلال ہونا واجب ہوا

دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب جنس مختلف ہو۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ تو وہ کون ہے جو ایسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتلائے گا۔ حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوس کی اجازت فرما چکے۔

دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاویٰ قاضی خاں سے بیان کر آئے کہ دو پیسے

عن الدراهم فيجوز ذلك ويقع الامن
واتى امن بعد حصول العصية -

دلیل خامس

والخامس ليس التفاضل بين درهم ودينار او فلس ودينار مثلا الا بالمالية فان كان ذلك موجبا لكراهة التحريم لانه حصل لاحد العاقدين اكثر واربح مما حصل للاخر فاربى هذا عليه يجب ان تكون مساواة الجيد والردى وزنا مكروها تحريما اذا اربى الجيد على الردى بما لا يتغابن فيه الناس كان تكون ماليته ضعف ماليته و اضعافها لان موجبها المذكور حاصل ههنا ايضا قطعا والشئ لا يتخلف عن موجبه مع ان المساواة هو المامور به شرعا وكذلك ما زاد بالصياغة حتى صارت قيمته اضعاف قيمة ما يساويه وزنا من التبر او الدراهم يكون التساوي فيه موجب لما ارجبتم به كراهة التحريم مع انه هو الواجب شرعا فاذن يكون الشرع

کے بدلے ایک پیسہ دیوے تو یہ جائز ہوگا۔ اور امان حاصل ہوگی۔ اور گناہ ہونے کے بعد کوئی امان ہو؟

دلیل پنجم

دلیل پنجم مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اوس کو اس پر زیادتی رہی۔ تو واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن دکھائیں جیسے اسکی مالیت اوسکی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو۔ اسلیئے کہ کراہت تحریم کا موجب یہاں بھی یقیناً حاصل ہے۔ اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے۔ اور ایسے ہی وہ جو صناعی کے سبب بڑھ جائے۔ یہاں تک کہ اوس کی قیمت اوس کے ہموزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہو جائے تو اوس میں وزن کی برابری اوس کراہت تحریم کی موجب ہوگی۔ جو تم نے قرار دی ہے۔ حالانکہ وہی شرعاً واجب ہے۔ تو اوس وقت یہ ہوگا۔ کہ شرع نے

Marfat.com

قد اوجب ما هو معصية فان المكروه تحريما منهي عنه وارتكابه اثم ومعصية وان كانت صغيرة كما نص عليه في البحر والدر وغيرهما وبالاعتياد يصير كبيرة ولاشك ان الشرع متعال عن يأمر بمعصية و يوجب ارتكاب اثم بخلاف المكروه تنزيها فانه من المباح وليس من المعصية قطعا وربما يتعمده الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام بيانا للجواز وقد زلت قدم ذلك اللكنوي في رسالته في الدخان فجعل المكروه تنزيها من المعاصي والاصرار عليه من الكبائر وهذه مزلة فاحشة بينت عوارها في رسالة مستقلة سميتها جمل

۱۳۰۲ھ

مجلية ان المكروه تنزيها ليس بمعصية والاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالية عند اتحاد الجنس لايجدى نفعا فان ذلك اول الكلام ان لو كان لاربا في المالية موجب المعصية في نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع ما فيه من ابطال مقصد لنفسه

[illegible]

وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے۔ اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اُس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی۔ اور عادت ڈالے کبیرہ ہو جائیگا اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے۔ اور گناہ کرنا واجب کرے۔ بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے۔ اور معصیت میں سے یقیناً نہیں۔ کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصداً کرتے ہیں کہ اوسکا جائز ہونا ظاہر ہو جائے۔ اور انہی لکھنوی کا قدم کے رسالہ میں قدم پھسلا۔ تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اوس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرا دیا۔ اور یہ فاحش غلطی ہے۔ کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا۔ اور ہم نے رسالے کا نام

۱۳۰۲ھ

جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دیگا۔ اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے۔ کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی۔ تو کیوں اسکا اعتبار ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا

[illegible]

Marfat.com

اعنی الشرع وهو صيانة اموال الناس وانما الاموال بالمالية وفيه ايصال اكلة الربا الى قصدهم الفاسد فان غرضهم انما يتعلق بالمالية فاذا اربوا فيها فقد فازوا بمرادهم ولا نظر لهم الى زيادة الوزن وقلته فتبين ان الارباء فى المالية لا نظر اليه للشرع ولا يمكن ان يوجب كراهة تحريم اصلا وهو المقصود

بيان الدليل السادس

والسادس اطبقت المتون قاطبة بجواز بيع فلس بفلسين وقال فى البحر ليس مرادهم خصوص بيع الفلس بالفلسين بل بيان حل التفاضل حتى لو باع فلسا بمائة على التعيين جاز عندهما اى عند الشيخين رضى الله تعالى عنهما واى نص تريد انص من هذا على حل التفاضل بالمالية والحمد لله. نعم الحل قد يجامع كراهة التنزيه كما نصوا عليه

بيان الدليل السابع

والسابع العينة المذكورة فانما مبناها على التفاضل فى المالية ولا تقييد بنوعشرة

مقصود کیا ہے لوگوں کا مال بچانا۔ اور مال کی حقیقت تو مالیت ہی ہے۔ اور اسمیں سود خواروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا۔ کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے۔ جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی۔ تو وہ اپنی مراد کو پہنچے۔ اور وزن کی کمی بیشی کی طرف انکی نظر نہیں۔ تو ظاہر ہوگیا۔ کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی۔ تو ممکن نہیں۔ کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے۔ اور یہی مقصود ہے ۔

بیان دلیل ششم

دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسہ کو بیچنا جائز ہے اور بحر الرائق میں فرمایا کہ انکی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے۔ یہاں تک کہ ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے۔ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے۔

اور اس سے بڑھکر تو اسپر اور کونسا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے۔ والحمد للہ۔ ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کیساتھ جمع ہوجاتا ہے جیساکہ علماء نے تصریح فرمائی

بیان دلیل ہفتم

دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کہ اسکی بنا ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے۔ اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے

Marfat.com

باثنی عشر او ثلثة عشر کما فی الخانیۃ
او خمسۃ عشر کما فی الفتح بل
صورت بصورۃ الضعف ایضا
قال فی الفتح من صور العینۃ ان
یبیع متاعہ بالفین من المستقرض
الی اجل ثم یبعث متوسطا یشتریہ
لنفسہ بالف حالۃ ویقبضہ ثم
یبیعہ من البائع الاول ثم یحیل
المتوسط بائعہ علی البائع الاول بالثمن
الذی علیہ وھو الف حالۃ فیدفعھا
الی المستقرض ویأخذ منہ الفین
عند الحلول اھ اذ جاز ضعف جازت
الاضعاف **اقول** ولا یلزم التوسط
بل لہ ان یبیعہ من المستقرض بالفین
فیبیعہ المستقرض فی السوق بالف
کیلا تعود العین الی المقرض فیکون
مکروھا تحریما فی بحث المحقق وان کان
فیہ للکلام مجال فان شراء ما باع
باقل مما باع جائز عند توسط ثالث
بالاجماع ولم یذکروا فیہ تاثیما
وقد تقدم عن فقیہ النفس
فی حیل الفرار عن الحرام وانی
تتم الحیلۃ مع بقاء المعصیۃ لاجرم

[illegible]

بارہ یا تیرہ کر دیں جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے
یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں۔ بلکہ دونا دونوں کی
صورت بھی اسمیں بیان کی گئی ہے۔ فتح القدیر میں
فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی متاع
قرض لینے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے
پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے
ہزار روپے نقد کو خرید کر قبضہ کر لے پھر یہ درمیانی شخص
پہلے شخص سے اوسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی
اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار
دے۔ اور وہ ہزار روپے نقد ہیں۔ تو یہ پہلا بائع ہزار
روپے قرض لینے والے کو دیدے اور وعدہ پر دو
ہزار اوس سے لے۔ انتہی۔ اور جب دونا جائز ہوا
تو کئی گنا بھی جائز ہے **اقول** اس درمیانی شخص کا
ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ قرض لینے
والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے۔ وہ بازار میں
ہزار کو بیچ لے۔ تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف
عود نہ کرے۔ کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ
تحریمی ہو جائیگی۔ اگرچہ اسمیں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی
چیز جتنے کو بیچی ہے اوس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے
جبکہ تیسرا شخص متوسط ہو اور علما نے اسمیں کوئی گناہ
تحریمی نہیں فرمایا۔ اور امام فقیہ النفس قاضی خاں سے ابھی
اوپر گذر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے
بیان فرمائے ہیں اور جب معصیت باقی رہے تو حیلہ کب پورا ہوا لاجرم

[illegible]

Marfat.com

قال العلامة عبد الحليم في حواشي الدرر الظاهر كراهة تنزيه سواء كان في صورة كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا تدبر ۔

والثامن شرط والجواز شراء الوصي مال اليتيم لنفسه او بيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم وجعلوها في العقار بالضعف وفي غيرها بمثل ونصف كما في الخانية والهندية وشرط والجواز بيعه مال اليتيم من اجنبي ان لم تكن للصغير حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لا وفاء له الا به ان يبيعه بضعف القيمة قال في الهندية عن محيط السرخسي وعليه الفتوى فهذا تفاضل في المالية مامور به من جهة الشرع

والتاسع ما تقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره

والعاشر في باب الربا من رد المحتار عن الذخيرة

علامہ عبد الحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔ چاہیے جو سارا دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اوسکا حصّہ یا کچھ نہیں۔ تدابر ۔

دلیل ہشتم وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اوسکے ہاتھ بیچنا چاہے۔ تو اوسکے جواز کیلئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید وفروخت میں یتیم کا نفع ہو۔ اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دوچند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی جیساکہ فتاوی قاضی خاں اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے اور نابالغ کو اوسکی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو۔ کہ بغیر اوسکے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جوازِ بیع کی یہ شرط لگائی۔ کہ دونی قیمت پر بیچے۔ ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا۔ کہ اسی پر فتوی ہے۔ تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے

دلیل نہم وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ تو جائز ہے۔ اور مکروہ نہیں ۔

دلیل دہم۔ ردّ المحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے۔

Marfat.com

اذا دفع الحنطة الى الخباز جملة
واخذ الخبز مفرقا ينبغي ان يبيع
صاحب الحنطة خاتما او سكينا
من الخباز بالف من من الخبز
مثلا الخ واين يقع سكين من
الف من من الخبز ونظائر هذا
لو سردناها لم نستطع احصاءها
وانما تنزلنا بعد السادس الى هنا
لان كلامهم في المضموم مع الاقل
مطلق من ان يكون من الاثمان او
الاعيان ومن الاموال الربوية او
من غيرها فهذا غاية تحقيق المسألة

اما كلام الشيخ عبد الحليم
فاقول اولا ليس
الوجوب للاحتياط وجوب
الشئ في نفسه ولا شك
ان ترك ما لا باس به
حذرا مما به باس
من قبيل الاحتياط في
الدين ولا يحصل ذلك الا بما ذكر
فكان من واجباته اذا الواجب
للشئ هو الذي لا تحصل له
الا به ۔

جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دیدیئے اور روٹی
تھوڑی تھوڑی کرکے لی۔ تو یوں چاہیئے گیہوں
والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً
ہزار من روٹی کو بیچے الخ اور بھلا کہاں
چاقو اور کہاں ہزار من روٹی - اور اس کے
نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں۔ تو ہم اون
کا احاطہ نہ کرسکیں گے۔ اور دلیل ششم
کے بعد جو ہم یہاں تک اوتر آئے
اوس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ
جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز لادی جائے
وہ اونکے کلام میں مطلق ہے۔ خواہ ثمن ہو یا متاع
اور اموال ربا سے یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی نہایت ہے

رہا فاضل عبد الحلیم رومی کا کلام
اقول اوّلاً حصول احتیاط کیلئے
کسی شئے کا وجوب اوس کا فی
نفسہ وجوب نہیں اور شک نہیں
کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی
نہیں۔ اوسے چھوڑنا دین
میں احتیاط کے قبیل سے ہے
اور یہ اوسی طور پر حاصل ہوگا جو اونہوں نے
ذکر کیا تو احتیاط کے واجبات سے ہوا۔
کہ کسی شئے کے لئے واجب وُہی ہے جس
کے بغیر شئے حاصل نہ ہو ؛

Marfat.com

وثانیًا ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنه قول الدر ولا باس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم اھ ونظر له الشامی فی موضع اخر بقولهم حقان واجب علی وفی کتاب ادب القاضی من الفتح تحت قوله ویشهد ای القاضی الجنازة ویعود المریض ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست خصال واجبة ان ترك شیئا منها فقد ترك حقا واجبا علیه لاخیه یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویحضره اذا مات وینصحه اذا استنصحه ثم قال ولا بد من حمل الوجوب فیه علی الاعم

ثانیًا اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں۔ اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے۔ تو اونکی پیروی واجب ہوئی اور شامی نے دوسری جگہ اسکی ایک نظیر یہ بیان کی۔ کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے۔ اور فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو۔ اور بیمار کے پوچھنے کو جائے۔ ادب المفرد بخاری کی یہ حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کی۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر اُن میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑ گیا جو اوس کے لئے اوسپر واجب تھا۔ ملاقات کے وقت اوسے سلام کرے۔ اور وہ دعوت کرے۔ تو قبول کرے۔ یا وہ پکارے۔ تو جواب دے۔ اور جب اوسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اوسے یرحمک اللہ کہے بیمار ہو۔ تو اوسے پوچھنے جائے۔ اور اسکی موت میں حاضر ہو اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے پھر محقق نے فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں۔ جو وجوب کے

من الوجوب فى اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهرة وجوب الابتداء بالسلام وكون الوجوب وجوب عين فى الجنازة فالمراد به امر ثابت عليه اعم من ان يكون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اه ولا بلا من الحمل عليه لما اقمنا من الادلة وان ابيت الاحمله على ظاهره فهذا فهم من الشيخ عبد الحليم لم يستند فيه لنقل وفهمه غير حجة فى الشرع لا سيما عند قيام البراهين على خلافه

الجواب الثالث

وثالثًا ان لم يحمل على ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه لانه ذكر بعد هذا بورقة

[illegible]

واقعة حدثت فى الدولة العثمانية من تبديل الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة ومنع بظهورها التعامل بالعتيقة ومن دراهم العتيقة ان الدرهم الكبير الرومى وهو مسمّى

اوس معنے سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو۔ اسلیئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتدا بسلام واجب ہو۔ اور نماز جنازہ فرض عین ہو۔ تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں۔ خواہ مستحب ہوں۔ یا واجب فقہی انتہی۔ اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب اون دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے۔ اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے۔ تو یہ شیخ عبد الحلیم کی اپنی ایک سمجھ ہے۔ جس پر اونہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی۔ اور اونکی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اوس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں

جواب سوم

ثالثًا. اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو اونکا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا اسلئے کہ اونہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک

[illegible]

واقعہ بیان کیا ہے۔ پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے اونہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں۔ اور ان نئوں کے چلن کو بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کر دیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے

Marfat.com

بالقرش يكون بمائة وعشرين درهما
منها والدينار بمائتين واربعين
فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش
الى ثمانين من الجديدة والدينار
الى مائة وعشرين فيقع بين الناس
نزاع كثير فى ديونهم الواقعة فى
زمن العتيقة قال فافتى اسلافنا
من ساداتنا علماء قسطنطينية
المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة
دين مائة وعشرين درهما يعطى
المديون الدائن ثمانين درهما
جديدا او قرشا واحدا وبمقابلة
مائتين واربعين دينارا اوقرشين
الى ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم
اسعد بن سعد الدين فافتى بان
يعطى قيمة العتيقة فى زمن العقد
من الدينار مثلا لكل مائتين و
اربعين درهما يعطى دينار ولا يعين
اعطاء درهما جيدا ولا قرشا
وصرح بان فى المسلك السابق
حقيقة الربا او شبهته ثم قال
يقول العبد ان ما افتى به اولا
صحيح ايضا مع ان فيه يسر او

قرش کہتے ہیں۔ اُن پرانوں کے ایک سَو بیس کے
برابر ہوتا ہے۔ اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر
جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان
نئوں سے اسّی روپے رہجاتی ہے اور اشرفی ایک سو
بیس کی۔ تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپوں کے
زمانے میں ہوا تھا اوس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ تو علمائے
محروسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ
فتویٰ دیا کہ تہائی دین اوتار دیں۔ تو ایک سَو بیس
پرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی
روپے یا ایک قرش دے۔ اور دو سو چالیس
پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش
یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد
بن سعد الدین کے افتاء کا وقت آیا۔ تو
اونہوں نے یہ فتویٰ دیا۔ کہ زمانہ عقد میں
پرانے روپوں کی جو قیمت تھی۔ اوتنی قیمت
کی اشرفیاں دی جائیں۔ مثلاً ہر دو سو
چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی
دے۔ اور یہ جائز نہ رکھا۔ کہ اوسے
نیا روپیہ یا قرش دے۔ اور تصریح فرمائی
کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے
یا اوس کا شبہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا۔ کہ
وہ جو پہلوں نے فتویٰ دیا۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔
اور اوس کے ساتھ اوس میں آسانی ہے اور

توسیع دائرة لاداء الدین اما
صحته فان الدراهم العتیقة لما
کانت رائجة کما یروج القروش
والدینار من غیر فرق بینهن تفاد
ان دین المدیون استقر فی ذمته
علی هذا التفصیل وصرف الدین
الی ما قدر به فی الاداء من کل
نوع ای نوع کان من العتیقة والقروش
والدینار کما صرح الفقهاء بهذا
فی صورة استواء رواج الاحادی
والثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی
العتیقة وظهر الجدیدة ورخص
القروش والدینار بالتنزیل الی ما
سبق ذکره نزل الدین کذلك و
فیه توسیع دائرة ویسر تام اذ
یؤدی المدیون من ای نوع قدر
بخلاف ما افتی به ثانیا اذ قد
لا یکون للمدیون دینار وقد لا
یجد وقد یکون الدین او الباقی
غیر بالغ الی قیمة الدینار فیعسر
الاداء مع ان الاثمان الرائجة فی
زمن العقد سوی العتیقة باقیة
علی رواجها ولیس فیها کساد ولا منع

ادائے دین کے دائرہ میں وسعت۔ اوس کی
صحت تو اس سبب سے ہے۔ کہ پرانے روپے
کا جب بعینہ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی
اور قرش کا۔ تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین
اسی تفصیل سے ٹھیرا۔ اور دین کا حاصل اس
طرف پھریگا۔ کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے
کسی نوع میں سے ہو۔ پرانے روپے
ہوں۔ یا قرش۔ یا اشرفی۔ جیسا کہ فقہاء
علیہ الرحمۃ نے اس کی تصریح فرمائی ہے جبکہ
مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو۔ تو جب
پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا۔ اور نئے چلنے
لگے۔ اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اوس مقدار
پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا۔ دین بھی اتنا
ہی اتر جائیگا۔ اور اس میں دائرہ کی وسعت
اور پوری آسانی ہے۔ اس لئے کہ مدیون
جس نوع پر قدرت پائیگا۔ اوس میں سے
ادا کریگا۔ بخلاف دوسرے فتوے کے
اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں
ہوتی۔ اور نہ اوسے ملتی ہے۔ اور کبھی
کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کی
مقدار کو پہنچے۔ تو ادا دشوار ہوگی۔ حالانکہ
جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپے
کے سوا بدستور رائج ہیں انکا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا

Marfat.com

سوى الترخيص بالنسبة الى الجيدة
فمن اين التكليف للمديون باداء
الدين بالدينار نقط فظهر ان ما
افتى به اولا صحيح على وجه اليسر
لاعسر فيه نعم لو سلم وجدان
الربا اما حقيقة او حكما فى الاداء
بالجديدة او بالقرش بان لا مساواة
بينهما وزنا او لا يعلم فانه يدفع
بضم نحو فلس الى الجديدة او
القرش كما لا يخفى اه ملخصا
والمسئلة مذكورة فى الدر
وغيره والمختار العلائى ما افتى به
سعدى افندى وهو الالزام
بالذهب ومال ابن عابدين الى
نحو ما مال اليه عبد الحليم.
وحاصله اولا منع ان اللازم على
ذمة المديون عين العتيقة حتى
يكون الاداء بالجديدة او القرش
مع عدم مساواتها للعتيقة وزنا
ربا بل اللازم تلك المالية المتقدرة
باى الثلثة شاء فاذا كسد منها
واحد جاز الاداء عن احد الباقيين
قلت: وبهذا ظهر ان تعبيرهم بتنزيل ثلث

سوا اس کے کہ نئے روپوں سے اونکا بھاؤ سستا
ہو گیا - تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائیگا کہ
خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے - تو ظاہر
ہوا کہ وہ جو پہلا فتوے تھا صحیح اور آسان ہے
اوسمیں کچھ دشواری نہیں - ہاں اگر یہ مان لیا جائے
کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً
ربا ہے - یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن برابر
نہیں - یا برابری کا علم نہیں - تو وہ یوں دفع
ہو جائیگا - کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً
ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی
ملخصاً - اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے -
اور صاحب درمختار نے اوسی کو اختیار کیا جو سعدی
آفندی کا فتوے ہے - کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا
کرنا واجب ہے - اور علامہ شامی نے اوس طرف
میل کیا جس طرف شیخ عبد الحلیم کی رائے تھی -
اور اوسکا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے
کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا
واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا
جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہیں ربا
ٹھیرے - بلکہ اوتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ
ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہو کرلے تو جب ان میں سے
ایک چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے چاہے ادا کرے
اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ انکا یہ فرمانا کہ تہائی

الدّين مساعحة نظرا الى ظاهر التغير فى عدد الدراهم حيث يُعطى من الجديدة ثمانين مكان مائة و عشرين والا فلا تنزيل فى المالية اصلاً وثانيًا ان سلم لزوم العتيقة عينًا نيد فع بضم نحو فلس الى الجديدة او القرش وقد افتى هو به الناس وجعله يُسرا تاما من دُون عُسر واى يُسر بعد حصول كراهة التحريم فاذن لا محيد عما ذكرنا وبالله التوفيق وبالجملة ما كانت امثال هٰذه الشبهات التذكر وتسطر لولا ما فى جوابها من فوائد تُكظم وتنزهر

رد آخر على اللكنوى

اقول وبه تبيّن والحمد لله ان ليس فيه اعنى فى بيع دينار بدرهم بل فلس فضلا عن بيع نوط عشرة بأحنى عشر شبهة ربا ايضا فضلا خلافا لما زعم اللكنوى اذ الشبهة فى المحرمات ملحقة باليقين كما نص عليه فى الهداية وغيرها فلو كانت لوجبت الحرمة فضلا عن كراهة التحريم وقد قامت الادلة

وَین اوتار دیا جائے مسامحہ ہے روپوں کی گنتی میں جو ظاہر التغیر ہوا۔ اوسپر نظر فرماکر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی دیگا۔ ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سود یوں دفع ہو جائیگا۔ کہ نئے روپوں یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دے۔ اور فاضل عبد الحلیم نے لوگوں کو اس کا فتویٰ دیا۔ اور کہ پوری آسانی بلا دشواری بتایا۔ اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کونسی آسانی ہے۔ تو بحمد جو ہم نے ذکر کئے اوس سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بالجملہ ایسی شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے

لکھنوی پر دوسرا رد

اقول - الحمد للہ! اس تقریر سے روشن ہو گیا۔ کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسے کو بیچنے میں ربا تو رہا اوس کا شبہ بھی نہیں۔ برخلاف اوس کے جو لکھنوی نے زعم کیا۔ اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہ بھی حکم یقین میں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے۔ تو اگر یہاں شبہ ہوتا۔ تو حرمت واجب ہوتی۔ نہ جائے کراہت تحریم اور دلائل قائم ہو

Marfat.com

ان لاکراھة تحریم ھٰھنا فضلاعن الحرمة فظھر ان لاربا ولا شبھة ھٰذا وانما جل ما یتشبث به ھٰذا المانع ان النوط[1] مغرق فی الربا

کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت۔ تو ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے۔ نہ سود کا شبہ یہ تو لیجئے اور آگے سنیے ان منع کرنیوالے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ[1] روپوں میں خرچ کر

---

[1] بل زعم ذالك اللكنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما یرید بیع مائة ربیه ویاخذ بدلها لا بدل النوط

اقول[1] اولا لوکان الامر کما زعمت لما صح بیع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بیع مائة درھم افرنجی بمائة درھم افرنجی وھی لا تتفاوت فیما بینھا بشیئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لا یشرع العبث فی الاشیاء العقود تعتمد صحتھا الفائدة فما لم یفد لم یصح فلا یصح بیع درھم بدرھم اذا تساویا وزنا وصفتا کما فی الذخیرة اھ

وثانیا[2] ثم یوما عن اریکتك واذھب الی البیاعین فاذا رایت زیدا باع نوطا من عمرو فاسئله ھل قلت له بعتك مائة ربیة فسیقول لا وانما قلت بعتك ھٰذا النوط فاسئله ھل اردت ان تستبدل مائة ربیة بمائة ربیة نعم فسیقول لا وانما اردت استبدال نوطی بربابیه فاسئله ھل اخذت ثمن ربابیك فسیقول لا بل ثمن نوطی فاسئله ھل تعتقد له ماترید

بقیہ بر صفحہ ۱۰۲

[1] بلکہ ان مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اوس سے قیمت لینا اوس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپیہ بیچنا اور اسکی قیمت لینا ہوتا ہے

اقول[1] اولا اگر معاملہ یونہی ہوتا تو روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا۔ اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے۔ تو یہ سو روپے دیکر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا۔ اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی۔ اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اوس سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ جو محض بے فائدہ ہو وہ عقد صحیح نہیں۔ تو ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن اور حالت میں برابر ہوں۔ جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ انتہیٰ

ثانیا[2] مولوی صاحب! ذرا اپنی مسند سے اوٹھکر کسی دن بازار کو جائیے جب دیکھیے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا۔ تو اوس سے پوچھیے۔ کیا تو نے اوس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے۔ وہ ابھی ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا۔ اب اوس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپوں سے بدلے۔ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ اپنا نوٹ اوس کے روپوں سے بدلنا چاہا۔ اب اوس سے پوچھیے۔ تو نے اپنے روپوں کی قیمت لی۔ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اوس سے پوچھئے کیا تو

بقیہ بر صفحہ ۱۰۲

Marfat.com

كانه هي من دون الفرق ولذا لا يفرقون بينهما في الاخذ و الاعطاء في المعاملات فاذن كانها عشر ربابي بيعت باثنتي عشرة ربية

گویا کہ وہ بعینہ روپیہ ہے۔ اور کچھ فرق نہیں۔ اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۹) من كيسك فسيقول لا۔ بل اعطيه نوطي فعند ذلك يتميز لك النهار من الليل ◆

وثالثًا ليتك تعرف المبيع من المعدوم فان البائع ربما لا يكون عنده الربابي بل ولا ربية واحدة وبيع المعدوم باطل وقد نهى عنه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ورابعًا من احتاج الى النوط ليرسله في البوسطة فان ارساله فيها ايسر واقل مصروفا فباعه زيد نوطه ثم اراد ان يعطيه مائة ربية لا يقبله المشتري ويقول انما اشتريت منك النوط وقد كانت الربابي عندي فما كان يحوجني الى شرائها منك وعند ذلك تعرف ان نسبة ذلك القصد اليهم فرية عليهم

وخامسًا بائع النوط اذا قبض الدراهم الثمن واراد رده يعد هذا عندهم اقالة البيع لا تسليمًا للمبدل وهذا كله واضح جلي على من يعرف الشمال من اليمين

(البقية بر ص۱۱۱)

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۹) اپنی تھیلی میں سے سو روپے اوسے دیگا۔ وہ ابھی جواب دیگا۔ کہ نہ۔ بلکہ اوسے اپنا نوٹ دونگا۔ اسوقت آپکو معلوم ہو جائیگا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے ◆

ثالثًا کاش آپ کو مبیع اور معدوم کا فرق معلوم ہوتا۔ اسلئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا۔ تو اگر اوسے سو روپیہ بیچنا مقصود ہوتا تو معدوم کی بیع کرتا۔ اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس سے منع فرمایا ◆

ورابعًا جسے ڈاک میں بھیجنے کیلئے نوٹ درکار ہو۔ کہ ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے۔ اور خرچ بھی کم ہے۔ اوس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے۔ اور پھر نوٹ نہ دے۔ بلکہ اوسکی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لیگا۔ اور اوس سے کہیگا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا۔ روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی۔ اوسوقت آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ نوٹ بیچنے میں انکا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں اونپر افترا ہے ◆

وخامسًا۔ نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لیکر نوٹ نہ دے۔ بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ اونکے نزدیک بیع کا فسخ ٹھیرتا ہے نہ یہ کہ اوس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اوس شخص پر روشن ہیں جو داہنے بائیں میں تمیز کرتا

(بقیہ بر ص۱۱۱)

Marfat.com

وهو ربا قطعا فهذا ان لم يكن ربا فبشبهه يلتحق به ويحرم

اقول وبالله التوفيق هذا اردء واخنع ولا غرّ واذا القوس في يد غير باريها قد علم كل من ترعرع عن الصبا ولو قليلا ان الاثمان الاصطلاحيه انما تقدر بالحقيقية

اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اوسکی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہوکر حرام ہو جائیگا

اقول وباللہ التوفیق۔ یہ شبہ تو اور بھی ردّی اور بھونڈا ہے۔ مگر کوئی تعجب نہیں۔ کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے۔ ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) فسبحٰن الله من مبيع لم يعقد عليه ولا قصد اليه ولا نقد بل ان نقد لم يقبل ولم يعد نقد المبدل بل ربما لا يكون عند من باع فهل سمعت بمثله مبيعا في الدنيا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولكن قلة الفهم والتدبر يأتي بعجائب نسأل الله العفو والعافية

وبه علم بطلان ما قصد به التفرقة بين الفلوس والنوط بان من اشترى شيئا بربية او استقرض ربية و اراد ان يعطي بدلها فلوس ربية فالدائن والبائع بالخيار في قبولها و لا يجبره عليه القاضي بخلاف النوط ومن اين له ادعاء هذا ومن قال به وسيأتيك تحقيق الامر بعد اسطر و بالله التوفيق اهـ منه

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) تو سبحان اللہ وہ تو وہ پیسے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا عقد واقع ہوا۔ نہ اونکے لینے دینے کا ارادہ ہوا۔ نہ بائع نے وہ دیئے بلکہ دیوے تو خریدار لے نہیں۔ اور بیع کا دینا نہ ٹھہرے۔ بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں۔ تو دنیا میں ایسی کوئی بیع سنی ہے کہ بک گئی ور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود مگر ہے یہ کہ فہم و فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی و عافیت مانگتے ہیں

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر کوئی ایک روپے کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے۔ اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ نہ لے۔ اور حاکم مجبور نہیں کر سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے اور یہ دعوٰی انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اسکا قائل ہے۔ اور عنقریب چند سطر کے بعد اس کی تحقیق پوری کا بیان آتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے

(مطلب فی ان النقود کلها تعتبر ... ان الاوراق اذا استوت رتبۃً عند اهل العرف ولا یجب دفع عوض التفاضل بینها عند اختلاف جنس او قدر

بل النقود کلها لها تقدیر
بالدراهم دنانیر کانت او غیرها
ولا بد لها من نسبۃ الی الربابی
نجنیۃ بخمسۃ عشر قطعۃ
صغیرۃ بثمن ربیۃ و اخری
بالربع و اخری بالنصف وست
عشر انہ بربیۃ والنوط الفلانی
بعشرۃ والفلانی بمائۃ و
ھکذا واذا استوت رواجۃ
ومالیۃ فاھل العرف لا
یفرقون بینھما فی الاخذ والاعطاء
فی معاملاتھم فمن شری ثوبا
بجنیۃ افرنجی واذی خمس عشرۃ
ربیۃ او بالعکس لا یعد ھذا
تبدیلا ولا تحویلا ولا ینکرہ
البائع ولا غیرہ وکذا القطعۃ
الصغیرۃ وثمانیۃ فلوس
افرنجیا لا یفرقون بینھما فی
اخذ ولا اعطاء وکذا ربع
الربیۃ وستۃ عشر فلسا و
من اشتری شیئا بنصف ربیۃ
فاما ان یؤدی النصف بعینہ
او ربعی ربیۃ او اربعۃ اثمانہ

(ف) ... نوٹ اور اشرفی وغیرہ سب کی نسبت روپوں سے ہے اور لین دین میں لوگ ان میں فرق نہیں کرتے ...

بلکہ تمام نقدوں کیلئے روپوں سے اندازہ ہے
خواہ اشرفیاں ہوں۔ یا اور کچھ اور ان میں کچھ
نہ کچھ روپوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک
ساورن پندرہ روپے کی۔ اور دوانی روپے
کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی۔ اور
اٹھنی آدھا۔ اور ایک روپے کے سولہ
آنے۔ اور فلاں نوٹ دس روپے
کا۔ فلاں سو کا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور
جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو
تو اہل عرف معاملات میں اون کے
لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ تو جو
کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے
اور دے پندرہ روپے۔ یا اوس کا ایک
عکس۔ تو نہ اوسے کوئی تبدیل کہیگا۔ نہ
قرارداد کا پھیرنا۔ اور نہ اس سے بائع
انکار کریگا نہ کوئی اور۔ اور یوں ہی
دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی۔
ان کے لین دین میں بھی کوئی
فرق نہیں کرتا۔ یوں ہی چونی
اور سولہ پیسے۔ اور جس نے کوئی
چیز اٹھنی کو خریدی۔ وہ یا تو خود
اٹھنی دے۔ یا دو چونیاں۔
یا چار دوانیاں ....

او ربعا وثمنين او ربعا وثمنا وثمانية
فلوس او ثلثة اثمان وثمانية فلوس
او ربعا وستة عشر فلسا او ثمنا و
اربعة وعشرين فلسا او الكل بالفلوس
اثنين وثلثين فلسا الصور[1] التسع
جميعا سواء عندهم ولا يفرقون
بينها اصلا لاستوائها جميعا فی
المالية والرواج - وليس هذا فی
العرف فقط بل الشرع ايضا خير
المشتری ان يؤدی ايها شاء ولو
امتنع البائع من قبول بعضها واراد
الزام المشتری باحد الوجوه كان
تعنتا منه ولم يقبل - قال ابن
عابدين تحت قول المتن ينصرف
مطلقه ای مطلق الثمن الی غالب
نقد البلد وان اختلف النقود
مالية فسد العقد مع الاستواء
فی رواجها ما نصه اما اذا اختلفت
رواجا مع اختلاف ماليتها او
بدونه فيصح وينصرف الی الاروج

یا ایک چونی اور دو دوانیاں۔ یا ایک چونی اور ایک
دوانی اور آٹھ پیسے۔ یا تین دوانیاں اور آٹھ پیسے
یا ایک چونی اور سولہ پیسے۔ یا ایک دوانی اور
چوبیس پیسے۔ یا سب کے بتیس پیسے۔
یہ نو کی نو صورتیں[1] سب اون کے نزدیک
برابر ہیں۔ اور اُن میں اصلاً فرق نہیں کرتے
اسلیئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہے
اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ
شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا ہے۔ کہ
ان میں سے جس صورت پر چاہے۔ ادا کرے
اور اگر بیچنے والا اُن میں سے کسی صورت کو نہ
مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم
کرنا چاہے۔ تو یہ اوسکی طرف سے بیجا ہٹ ہوگی۔
اور مانی نہ جائیگی۔ تنویر الابصار میں جو فرمایا۔ کہ مطلق
ثمن شہر کے اوس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا
چلن زیادہ ہو۔ اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف
ہوں۔ اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہوجائیگا۔ اس
کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک
سا نہ ہو۔ مالیت خواہ مختلف ہو۔ یا نہیں۔ تو عقد
صحیح رہیگا۔ اور جس کا چلن زیادہ ہے۔ وہ مراد ٹھہریگا

---

[1] ولان اذا قد راج تفريق جديد ياتی انه صح اداء نصف ربعيه بستة وثلثين وجها والكل سواء كما لا يخفى اه منه

[1] اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی جسے اکنی کہتے ہیں۔ تو اٹھنی کے دام چھتیس[36] طرح ادا ہوسکتے ہیں۔ اور سب برابر ہیں۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

وكذا يصح لو استوت مالية و
رواجا لكن يخير المشتري بين ان
يؤدي ايهما شاء ومثل في الهداية
مسئلة الاستواء في المالية والرواج
بالثنائي والثلاثي واعترض الشراح
بان مالية الثلاثة اكثر من الاثنين
واجاب في البحر بان المراد بالثنائي
ما تطمان منه بدرهم قلت وحاصله
انه اذا اشترى بدرهم فله دفع
درهم كامل او درهم مكسر قطعتين
او ثلثة حيث تساوى الكل في المالية
والرواج ومثله في زماننا الذهب
يكون كاملا ونصفين واربعة ارباع
وكلها سواء في المالية والرواج و
منه يعلم حكم ما تعورف في زماننا
من الشراء بالقروش فان القرش في
الاصل قطعة مضروبة من الفضة
تقوم باربعين قطعة من القطع
المصرية المسماة في مصر نصفا
ثم ان انواع العملة المضروبة تقوم
بالقروش فمنها ما يساوي عشرة
قروش ومنها اقل ومنها اكثر
فاذا اشترى بمائة قرش فالعادة

یوں ہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں
جب بھی عقد صحیح رہیگا۔ مگر اس صورت میں خریدار
کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا
کرے۔ اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے
کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی۔ اور شارحوں نے
اوسپر اعتراض کیا۔ کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے
اور بحر الرائق میں جواب دیا۔ کہ ثنائی سے وہ مراد ہے
جس کے دو ایک روپیہ کے برابر ہوں۔ اور ثلاثی
وہ جس میں تین ایک روپیہ کے برابر ہوں میں کہتا
ہوں اسکا حاصل یہ ہے کہ جب اوس نے کوئی چیز
ایک روپیہ کو خریدی۔ تو چاہے ایک روپیہ پورا دے
چاہے دو اٹھنیاں۔ چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت
اور رواج میں برابر ہیں۔ اسیطرح اشرفی ہمارے زمانے
میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے
اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں۔ اور اسی سے
معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے
زمانے میں شائع ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا
سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری
ہوتی ہے۔ جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں
پھر ہر قسم کے سکے سب کی قیمت قرشوں
سے لگائی جاتی ہے۔ تو ان میں کوئی دس قرش
کا۔ کوئی کم کا۔ کوئی زیادہ کا۔ تو جب کوئی
چیز ستر قرش کو خریدی۔ تو عادت یہ ہے

انه يدفع ما اراد امّا من القروش او ممّا يساويها من بقية انواع العملة من ريال او ذهب ولا يفهم احداث الشراء وقع بنفس القطعة المسمّاة قرشا بل هى او ما يساويها من انواع العملة المتساوية فى الرواج المختلفة فى المالية ولا يرد ان صورة الاختلاف فى المالية مع التساوى فى الرواج هى صورة الفساد لانه هنا لم يحصل اختلاف مالية الثمن حيث قدر بالقروش وانما يحصل الاختلاف اذا لم يقدر بها كما لو اشترى بمائة ذهب وكان الذهب انواعا كلها رائجة مع اختلاف ماليتها فقد صار التقدير بالقروش فى حكم ما اذا استوت فى المالية والرواج وقد مرّ ان المشترى يخيّر فى دفع ايهما شاء۔ قال فى البحر فلو طلب البائع احدهما للمشترى دفع غيره لان امتناع البائع من قبول ما دفعه المشترى ولا فضل تعنت اه وهذا كله واضح جلى واتى تسويه وعدم

کہ وہ جو چاہے دے۔ خواہ قرش ہی دے۔ یا اور سکے جو مالیت میں اوسکے برابر ہوں۔ ریال یا گنی۔ اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اوس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے۔ بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اوتنا کہ اوسکے مالیت کے برابر ہو جائیں۔ اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اوس کا اندازہ قرشوں سے کیا گیا۔ ہاں اختلاف جب ہوتا کہ اون سے اندازہ نہ کرتے۔ جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف۔ اور جب قرشوں سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں۔ اور اوپر گذر چکا۔ کہ مشتری کو اختیار ہوگا۔ کہ اون میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا۔ اگر بائع اون میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اسلئے کہ جو مشتری دے رہا ہے اُسکے لینے سے بائع کا انکار بیجا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہی اور یہ سب ظاہر و روشن باتیں ہیں۔ اور اس سے بڑھکر اور کیا برابر جاننا

تفرقة اعظم من ان يشترى المشترى
بالقروش ثم يخير ان يؤدى منها
او من الريال او من الذهب الكامل
او من التفاريق وان لم يقبل البائع
كان متعنتا ومع هذا لا يتوهم
عاقل ان القروش والريال والجنية
والتفاريق كلها صارت جنسا واحدا
لا يحل فيها التفاضل او ان بعضها
مغرق فى بعض كانه هو من دون
فرق فالتفاضل ان لم يكن ربا
فشبهه يلحق به ويحرم مع نصهم
قاطبة اجمعين ان عند اختلاف
الجنس يحل التفاضل بل مع قول
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف
شئتم وقد قدمنا تحقيق مسئلة
دينار بدرهم وان ليس فيه ربا و
شبهة ربا بما لا مزيد عليه فاذا
كان هذا فى القروش والريال و
الجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان
خلقية وكلها تشملها احدى علتى
الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط
مع الربا مع ان النوط ليس الا

اور فرق نہ کرنا ہے کہ خریدے تو قرشوں کو پھر
اوسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ
ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اوسکی ریزگاری
اور بائع نہ مانے تو ہیجا ہٹ ٹھیرے باینہمہ
کوئی عاقل یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال
اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک
جنس ہیں۔ اون میں ایک سے دوسرے
کو بیچیں۔ تو کمی بیشی جائز نہ ہو۔ یا اُن میں ایک
دُوسرے میں ایسا غرق ہے۔ کہ گویا بعینہٖ بلا فرق
دونوں ایک ہیں۔ تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو۔ تو
اوسکی مشابہت کے سبب اوسکے حکم میں ہو کر
حرام ہو جائے۔ حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح
فرما رہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی
بیشی جائز ہے۔ بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی
علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب دو نوعیں
بدلیں۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی
تحقیق ایک روپے کو ایک اشرفی بیچنے میں نہ سود
ہے نہ سود کا شبہ اوپر اس طرح بیان کی جس سے
بڑھکر کوئی بیان نہیں۔ تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال
اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا۔ حالانکہ وہ سبکے سب
خلقۃً ثمن ہیں۔ اور ان سب میں ربا کی دو علتوں
میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے۔ تو روپوں
کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے۔ حالانکہ نوٹ تو صرف

Marfat.com

ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته
الا بالاصطلاح الغير اللازم على
العاقدين ولا يشمله شئ من علة
الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم
ههنا لا يأتى الا من احد ثلثة
رفع عنهم القلم صبى ونائم ومجنون
نسئل الله العفو والعافية هذا
هو تحقيق الجواب فى هذا الباب
وارجوان لا عطر بعد عروس

ثمن اصطلاحی ہے۔ اور اوسکی مالیت کا اندازہ
ایک اصطلاح ہے جسکی پابندی بائع ومشتری پر
لازم نہیں۔ اور اوسمیں ربا کی دونوں علتوں میں
سے کوئی نہیں۔ نہ جنس نہ قدر۔ تو یہاں ناجوازی
کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے
قلم شرع اٹھا لیا گیا ہے۔ بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم
اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں۔ اس باب
میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں۔ کہ
دولہا کے بعد عطر نہیں۔

(ف) الرد الالزامي على الكفري وبيان انه هو الذي يلزمه بناء المختار اهل الزنا وحيلة

ولكن يا هذا ان ابيت الا ما
ابيت من ان النوط مغرق فے
الربا بكانه هي فانا اسئلك
ابهذا الاغراق وعدم الافتراق
صار النوط حقيقة دراهم فضة
او حكما بان اجرى الشرع فے
مبادلته بالدراهم ما هو حكم
مبادلة الدراهم بالدراهم
كما قلت كانها عشر ربا بى
بيعت باثنى عشر اولا ولا على
الثالث ما هذه الشقاشق
الفارغة عن منشا ومعنى
وعلى الاولين يعود الربا عليك
انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة

(ف) رد الزامی کفری کی بحیثیت اس رد و ابطال کا بیان اور جواب نوٹوں سے ہمیشہ کی بیع کا بیان اور اس کا الزام وضع

ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی
اوسی بات کے نوٹ روپوں میں ایسا غرق
ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے۔ تو اب میں تجھ
سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے
کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوگیا
یا حکمًا باین معنی کہ روپوں سے نوٹ کی بیع میں
شرع نے یہی حکم جاری فرمایا جو روپوں سے
روپوں کی بیع میں ہے۔ جیسا کہ تو نے کہا
تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے
گئے۔ یا حقیقۃً اور حکمًا کسی طرح نہیں۔
تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی
لفاظیاں ہیں۔ اور پہلی دونوں صورتوں
میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا۔ جب کہ تو
دس کا نوٹ دس کو بیچے۔

Marfat.com

و ذلك لان حکم الدراهم بالدراهم
لم یکن فی الشرع التساوی فی المالیة
لاجماع الامة ان الجید و الردی
ههنا سواء و انما کان الحکم
التساوی فی القدر فیجب علیك
ان تضع النوط فی کفة و الفضة
من تفریق درهم او غیره فی الکفة
الاخری فلا تبیعه الا بما ساوا لا
وزنا ولا یکون ذلك الا قطعة صغیرة
او قطعتین فان زدت علیه شیئا
فقد اکلت الربا و احللت الربا ء

جواب شبهة

و ان زعمت ان الحکم التساوی
الی النوط من الربا بی لاجل هذا
الفراق وعدم الافتراق هو
التساوی فی المالیة فهذا جهل
منك عظیم یساوی عشرا و یتساوك
هزلا فان التسویة فی المالیة لم یکن
حکم الربا بی نفسها فکیف یسری
منها الی شبهها ما لیس فیها علا
ان النوط ان اتحد مع الربا بی حقیقة
او حکما لا یتحد مع الذهب لامتناع
الاتحاد بین نوعین متباینین فاذن
فاذن ان بیع نوط عشرة باثنی عشر

اسلئے کہ روپوں سے روپے کی بیع میں شرع کا
حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں برابر ہوں۔ تمام اُمت
کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے۔ بلکہ حکم
تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو۔ تو تجھ پر واجب
ہے۔ کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے۔ اور دوسرے
پلہ میں روپے کی ریزگاری۔ یا اور کوئی چاندی
بس اوتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی
وزن میں نوٹ کے برابر ہو۔ اور یہ دوانی
یا چوانی سے زائد نہ ہوگی۔ اور اگر اوس پر
کچھ زیادہ لے۔ تو تو نے سُود کھایا۔ اور
سُود حلال کیا ◆

جواب شبہ

اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس فرق ہونے
اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو
حکم نوٹ کی طرف آیا۔ وہ یہ ہے کہ مالیت
میں برابر کرو۔ تو یہ تیرا بڑا جہل ہے جو
ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دُبلے پن سے چمک
پچک ہو رہا ہے۔ کہ مالیت میں برابر کرنا خود
روپوں کا حکم نہ تھا۔ تو روپوں سے اونکے مشابہ
نوٹ کیطرف وہ حکم کیونکر سرایت کریگا جو خود ان
میں نہیں۔ علاوہ بریں اگر نوٹ روپوں کے ساتھ
حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے۔ تو سونے کے
ساتھ متحد نہ ہوگا۔ کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں
ہوسکتیں۔ تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ

Marfat.com

جنيهاً لا يلزم فيه ما لزم ثمه لعدم الاتحاد في الجنس حقيقة ولا حكماً فحينئذ يرجع مآل فتواك الى ان من باع نوط عشرة باثنتي عشرة ربية فهذا حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه باثني عشر جنيهاً فهذا لا حرج عليه لانه لم يحصل فضلا يعتد به فسبحٰن الله من هذه الفتوى ما ادقها نظراً و احقها رعاية لمقصد الشرع الشريف من تحريم الربا وهو صيانة اموال الناس ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم. وبالجملة كلام هذا المانع لا يرجع الى اصل شرعي ولا برهان وما هو الا كلمة هو قائلها ما انزل الله بها من سلطٰن والحمد لله وعليه التكلان وهو المستعان

واما الثاني عشر

فاقول نعم يجوز اذا قصد البيع حقيقة دون القرض وذلك لان البيع جائز و

[illegible]

اشرفی کو بیچا جائے۔ تو وہ حرج لازم نہ آئیگا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکماً۔ تو اب تیرے فتویٰ کا انجام یہ ٹھیریگا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اسلئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی۔ اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے۔ تو کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار کیا جائے۔ تو سبحان اللہ! اس فتوے کا کیا کہنا۔ کس قدر اوسکی نظر دقیق ہے۔ اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا۔ یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اوس نے اسکی رعایت کی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خلاصہ یہ کہ اس منع کرنیوالے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب۔ وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اوسپر کوئی دلیل نہ اتاری۔ سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے

جواب سوال دوازدہم

اقول۔ ہاں جائز ہے۔ جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں۔ نہ قرض کا۔ اس لئے کہ بیچنا جائز اور

[illegible]

التفاضل جائز والتاجيل جائز كما حققنا كل ذلك وما التنجيم الا نوع من التاجيل نعم ان اقرض نوط عشرة وشرط ان ترد المستقرض اثنتي عشرة دبية او احدى عشرة او عشرة وقطعة مثلا حالا او مالا منجما او غير منجم فهذا حرام وربا قطعا لانه قرض جر نفعا وقد قال سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربا رواه الحارث بن ابي اسامة عن امير المؤمنين علي كرم الله تعالى وجهه بخلاف ما اذا اقرض ولم يشترط شيئا من الزيادة ولا كانت معهودة من تعاملهما لان المعروف كالمشروط ثم ادى المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه تكرما زيادة ممتازة منحازة كيلا تكون هبة مشاع فيما يقسم فهذا جائز لا باس به بل هو من باب هل جزاء الاحسان الا الاحسان وقد قال صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

کمی بیشی جائز۔ اور مدت معین پر ادھار جائز۔ جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے۔ اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس۔ اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے۔ یا بلا قسط واپس دے۔ تو یہ ضرور حرام اور سود ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا۔ اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے۔ وہ سود ہے۔ یہ حدیث حارث بن اسامہ نے امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جب قرض دیا۔ اور کچھ زیادہ شرط نہ کیا۔ اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا کیونکہ جو معروف ہے۔ وہ تو مثل شرط کے ہے۔ پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا۔ اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شئے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

Marfat.com

بالوزان فی ثمن سراویل اشتراها
زن وارجح وکذا اذا تقاضاه المقرض
فلم یکن عنده النوط او لم یرد دفعه
فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة
عوضا عن النوط الذی فی ذمته
قبضت الدراهم فی المجلس کیلا
یکون افتراقا عن دین بدین فهذا
ایضا جائز بالاتفاق ان کان
النوط الذی استقرضه مستهلکا
وعند الطرفین مطلقا وان کان
باقیا عنده اذا لم یورد العقد
علیه نعم ان کان موجودا و
اشتراه بعینه باثنی عشر او بعشرة
او بما شاء فهذا باطل لا یجوز
عندهما خلافا لابی یوسف رضی
الله تعالی عنهم لانه قد ملکه
بالاستقراض فکیف یشتری
ملک نفسه من غیره فی وجیز
الکردری اذا کان له آخر طعام
وفلوس فاشتراه من علیه
بدراهم وتفرقا قبل قبض
الدراهم بطل وهذا مما
یحفظ اه وفی رد المحتار عن الذخیرة

جو ایک پاجامہ خریدا اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی
تھی تو تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے۔
یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا۔ اور قرضخواہ نے اوس سے
تقاضا کیا۔ اوسکے پاس ایسا نوٹ نہ تھا۔ یا اوس
نے نوٹ دینا نہ چاہا۔ عوض میں روپے دینے
چاہے۔ دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر
صلح ہوئی۔ اور اوسی جلسے میں روپے ادا کر دیے
تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف
دین ہو۔ تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اگر وہ نوٹ جو
اوس نے لیا تھا۔ اوسکے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق
جائز ہے۔ اور اگر نوٹ اوسکے پاس موجود ہے مگر
خاص اوس نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا۔ بلکہ ذمہ
پر جو قرض تھا اوسے خریدا۔ تو امام اعظم اور امام محمد کے
نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے
اور بعینہ اوسکو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو طرفین
کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف اسے جائز کہتے ہیں۔ باطل
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اوسنے یہ نوٹ قرض لیا تھا۔ تو
قرض لیتے ہی اوسکا مالک ہو گیا۔ تو خود ہی اپنی مملوک چیز
کو دوسرے سے کیونکر خریدیگا۔ وجیز کردری میں ہے جب ایک کے
دوسرے پر غلہ پیسے آتے ہوں۔ مدیون سے وہ دین اس نے روپوں کو
خرید لیا۔ اور روپوں پر قبضہ نہیں ہوا پہلے دونوں جدا ہو گئے۔ تو
بیع باطل ہو گئی۔ اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا
یاد رکھنا لازم ہے۔ انتہی اور رد المحتار میں ذخیرہ سے ہے

Marfat.com

اشتری من المقرض الکر الذی له
علیه بمائة دینار جاز لانه دین
علیه لا بعقد صرف ولا سلم فان
کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز
قول الکل لانه ملکه بالاستهلاک
وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف
وان کان قائما فکذلک عندهما
وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لا
یجوز لانه لا یملکه ما لم یستهلکه
فلم یجب مثله فی ذمته فاذا
اضاف الشراء الی الکر الذی
فی ذمته فقد اضافه الی معدوم
فلا یجوز اه وفیه عنهما استقرض
من رجل کرا وقبضه ثم اشتری
ذلک الکر بعینه من المقرض
لا یجوز علی قولهما لانه ملکه
بنفس القبض فیصیر مشتریا
ملک نفسه اما علی قول ابی یوسف
فالکر باق علی ملک المقرض فیصیر
المستقرض مشتریا ملک غیره فیصح اھ

مطلب الاحتیال لدفع الربا

اما الاحتیال لدفع الربا فقد
اسمعناک فیه ما یکفی ویشفی
وقد تقدم قول ابی یوسف رحمه

قرض دینے والے کا جو غلہ اسپر آتا تھا۔ وہ اُس نے
اوس سے سو اشرفی کو خرید لیا۔ جائز ہے کہ یہ دَین
اوسپر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے۔ پھر اگر وہ غلہ
خریداری کے وقت خرچ ہو چکا تھا جب تو سب کے
نزدیک جائز ہے۔ اسلئے کہ وہ خرچ کرنے سے
بالاتفاق اوسکا مالک ہو گیا۔ اور اوسکے ذمہ پر
اوتنا غلہ واجب رہا۔ اور اگر غلہ موجود ہی۔ تو امام
اعظم و امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہی اور امام ابو یوسف
کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو۔ اسلئے کہ اونکے نزدیک
جب تک خرچ کرلے اوسکا مالک نہ ہوگا۔ تو اس غلہ
کا مثل اُسکے ذمہ پر واجب نہیں۔ اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ
جو میرے ذمہ ہی میں نے خریدا۔ تو معدوم چیز خریدی
لہٰذا جائز نہوا۔ انتہیٰ۔ نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے
کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لیکر قبضہ کر لیا پھر
بعینہ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا۔ امام اعظم اور
امام محمد کے قول پر جائز نہیں۔ کہ وہ تو قبضہ کرتے
ہی اوس غلہ کا خود مالک ہو گیا۔ تو اب اپنی ملک
دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہی۔ ہاں امام ابو یوسف کے
قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی
ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اوس سے خریدی تو صحیح ہوگئی

حیلہ دفع ربا

رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا۔ اوسمیں ہم تجھے
وہ کچھ سُنا چکے۔ جو کافی وشافی ہے
اور امام ابو یوسف رحمہ

Marfat.com

الله تعالى ان العينة جائزة ماجور
من عمل بها قال واجره لمكان
الفرار من الحرام اه وتقدم قوله
ان الصحابة فعلوا ذلك وحمدوه
وتقدم قول الخانية ان مثل هذا مروي عن
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انه امر بذلك
فمن بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة
وفي البحر عن القنية لا بأس بالبيوع
التي يفعلها الناس للتحرز عن الربا
ثم رقم اخرهي مكروهة ذكر
البقالي الكراهة عن محمد وعندهما
لا بأس به قال الزرنجري خلاف
محمد في العقد بعد القرض اما
اذا باع ثم دفع الدراهم لا بأس
بالاتفاق اه وكذلك حكى الاجماع
الامام خواهر زاده رحمه الله تعالى
اذا لم يكن البيع مشروطا في القرض
فاذا ثبت عن رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم تعليمه وعن
الصحابة فعله وتمديحه واجمع
ائمتنا على جوازه فاي محل بقي
للارتياب والله الهادي
الى الصواب ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گزر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اوس کا
کرنیوالا ثواب پائیگا۔ فرمایا اوس میں ثواب اسوجہ
سے ہے کہ حرام سے بچا گنا ہے انتہی۔ اور اُنکا یہ ارشاد بھی
گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اسکی تعریف فرمائی
اور فتاویٰ قاضی خاں کا قول گزرا کہ اس کا مثل نبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا۔ کہ
حضور نے اُس کا حکم دیا تھا تو اب رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے۔ اور بحر الرائق
میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کیلئے
کرتے ہیں انہیں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے
نام کی رمز لکھی کہ اُنہوں نے کہا مکروہ ہے۔ امام بقالی نے
اسکی کراہت امام محمد سے روایت کی۔ اور امام اعظم اور
امام ابو یوسف کے نزدیک انہیں کچھ حرج نہیں۔ امام
شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا۔ امام محمد کا خلاف اُس صورت
میں ہے جبکہ قرض دیکر پھر ایسی بیع کرے۔ اور اگر بیع کردی
پھر روپے دیئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی اور اسیطرح
امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اوسکے جواز پر اتفاق نقل
فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگائی ہو۔ تو جبکہ نبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اوسکی تعلیم ثابت اور
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اوسکا کرنا اور اوسکی تعریف
ثابت۔ اور ہمارے اماموں کا اوسکے جواز پر اجماع قائم
تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہی۔ اور اللہ تعالیٰ
ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے ۔

Marfat.com

اقول ثم هٰذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضه دراھم ویبیعه شیئًا یسیرًا بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی ھٰذا ان تقدم القرض قیل کره البیع لانه قرض جرّ نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقًا لانه بیع جرّ قرضا کما افاده الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی ردّ المحتار اما ما نحن فیه من مسئلة النوط فبیع خالص لا قرض فیه اصلا لا بدءً ولا عودا فهٰذا اولٰی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق ؎

بیان الحیل الشرعیة للتخلص عن الربا

وان طلبت الزیادة فی امر الحیل فهٰذا ربّنا تبارک وتعالٰی قائلًا لعبده ایوب علیه الصلٰوة والسلام خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ وهٰذا سیدنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قد علم المخلص من الربٰوا وطریق الوصول الی المرام مع التنزہ عن الحرام - دوسے

اقول پھر یہ بھی اوس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں - یوں کہ اوسے کچھ روپے قرض دے - اور تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اوسکے ہاتھ بیچے - تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول کریگا - تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے - تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا - اسلئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی - اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی - تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں - اسلئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی - جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا - اور اسی پر فتوی دیا جیسا کہ ردّ المحتار میں ہے - اور وہ مسئلہ جسمیں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے - اسمیں قرض اصلاً نہیں نہ ابتدا میں نہ بعد کو - تو یہ بلا اتفاق بلا خوف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے ؎

بیان حیلہ شرعیہ برائے بچنے از سود

اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰے اپنے بندہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے - اس سے مار - اور قسم نہ توڑ - اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے - تعلیم فرمایا

Marfat.com

الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال جاء بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتمر برنی فقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من این ھذا؟ قال کان عندنا تمر ردیٔ فبعت منہ صاعین بصاع فقال اوہ عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربہ ق ایضا لھما عنہ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا

اقول اما کراھۃ من کرہ کمحمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح والمحیط کے لا یالفوا الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد

اسے بخاری ومسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی لائے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے؟ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے۔ ہم نے انکے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اُف خاص ربا ہے خاص ربا ہے۔ ایسا نہ کرو مگر جب انکو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچکر اس شئے کے بدلے انکو خریدو۔ نیز بخاری ومسلم نے ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل کرکے بھیجا۔ وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لیکر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں؟ عرض کی نہیں خدا کی قسم یا رسول اللہ ہم انہیں کا ایک صاع دو صاع کو۔ دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ اپنے چھوہارے روپوں سے بیچکر روپوں سے یہ چھوہارے خرید لو۔

اقول وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد انکا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر والایضاح ومحیط سے گزرا۔ کہ لوگ اسکے خوگیر ہوکر ناجائز بات میں نہ پڑیں۔ اور ہمارے زمانہ میں معاملہ

انعكست الامور وفشا الربا فی اهل
الهند جهارا لا يستحيون منه
كانهم لا يعدونه عيبا ولا عارا
فمن نزلهم عن هذا البلاء العظيم
والكبيرة الشديدة الى بعض هذه
الحيل الجائزة كبيع نوط عشرة باثنتى
عشرة منجما وغير ذلك مما تقدم
عن الامام فقيه النفس فلا شك
انه ناصح للمسلمين وما الدين
الا النصح لكل مسلم وهم وان
جاهروا بالمعاصى فالاسلام باق
بعد ولله الحمد فاذا سمعوا ما
يصلون به المرام مع النجاة عن
الحرام فما لهم ان لا يتوبوا فانهم
غير معاندين للشرع والاسلام
وقد قال مشائخ بلخ منهم محمد
بن سلمة للتجار ان العينة التى
جاءت فى الحديث خير من بياعاتكم
قال المحقق حيث اطلق وهو صحيح
فلا شك ان البيع الفاسد بحكم
الغصب المحرم فاين هو من بيع العينة
الصحيح المختلف فی كراهته اھ
اما زعم الزاعم انه ان لم ينه

الٹا ہوگیا۔ اور ہندوستان میں سود علانیہ
شائع ہوگیا۔ کہ لوگ اوس سے شرماتے نہیں
گویا وہ اون کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ
عار۔ تو جو اونکو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے
ان جائز حیلوں میں کسی طرف اوتار لائے۔ جیسے
دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا
اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس
قاضی خاں سے گذرے۔ تو کچھ شبہ نہیں
کہ وہ مسلمانوں کا خیرخواہ ہے۔ اور دین نام
نہیں مگر ہر مسلمان کی خیرخواہی کا۔ اور لوگ
اگرچہ گناہ علانیہ کررہے ہیں۔ مگر اسلام ابھی باقی
ہے۔ وللہ الحمد۔ تو جب وہ ایسی بات
سُنیں جس سے اپنی مراد پائیں۔ اور حرام سے بچیں
تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں۔ کہ اون کو شریعت
اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں۔ اور
بیشک مشائخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ
نے تاجروں سے فرمایا۔ وہ عینہ جس کا ذکر
حدیث شریف میں ہے تمہاری ان بیعوں سے
بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا۔ یہ
ٹھیک بات ہے۔ اس لئے کہ بلاشبہ بیع فاسد
غصب حرام کے حکم میں ہے۔ تو کہاں وہ اور کہاں
بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اوس کی کراہت میں بھی اختلاف ہے
رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ

عنه فما الفرق بينه وبين الربا
مع حصول الفضل فيهما **اقول**
هذا اعتراض اورده المشركون
وقد تكفل الجواب عنه ربنا تبارك
وتعالى في القرآن العظيم قالوا انما البيع
مثل الربوا واحل الله البيع وحرم الربوا
المرير المعترض انا انما احللنا الربح
في بيع جنسين متخالفين فان حرم
هذا لانسد باب البياعات
ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم
انتهى الجواب بتوفيق الوهاب والحمد
لله اولا واخرا وباطنا وظاهرا و
سميته كفل الفقيه الفاهم
في احكام قرطاس الدراهم ۱۳۲۴
ليكون العلم علما على عام التاليف
وقد ابتدأ فيه العبد الضعيف
يوم السبت ثم عاودتني الحمى
يوم الاحد فانهيته ضحى يوم الاثنين
لسبع بقين من المحرم الحرام سنة ۱۳۲۴ھ
وذلك في بلد الله الحرام باقتراح
الفاضل الصفي الوفي امام المقام
الحنفي مولانا الشيخ عبد الله
بن شيخ الخطباء وسيد الائمة العلماء

تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے۔ حالانکہ
زیادتی دونوں میں حاصل ہوئی۔ **اقول**
یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب
العزت تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس
کا جواب دیا۔ کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی
ہے جیسے ربا۔ اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور
حرام کیا سود۔ کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع
وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف چیزوں کی بیع ہو۔ تو
اگر یہ حرام ہو تو خرید وفروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا۔ اور اللہ
ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں
اور میں نے اسکا نام کفل الفقیہ الفاہم
فی احکام قرطاس الدراہم ۱۳۲۴ھ رکھا۔
تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو۔ اور
بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا
تھا۔ پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا۔ تو پیر کے
دن پہر دن چڑھے میں نے اسے تمام کیا۔ محرم شریف
کی تیئیس تاریخ ۱۳۲۴ھ۔ اور یہ تصنیف اللہ
کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی۔ انکی
خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی
کے امام ہیں مولینا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادے
خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں

Marfat.com

العالم العامل الفاضل الکامل
الزاهد الورع التقی النقی مجمع
الفضائل و منبع الفواضل حضرة
الشیخ احمد ابی الخیر حفظهما
الله تعالیٰ عن کل ضیر و رزقهما
من کل خیر وغفر لنا ذنوبنا و
ستر عیوبنا وخفف اثقالنا و حقق
اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الی
هذا البیت الکریم و بیت الحبیب الرؤف
الرحیم علیه وعلی اٰله افضل الصلوة و
التسلیم بقبوله و رضاه حتی یجعل
اٰخر ذلك موتنا علی الایمان فی
المدینة المنورة والدفن بالبقیع
والفوز بشفاعة الشفیع الرفیع صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم وعلیٰ اٰله و
صحبه وبارك وکرم اٰمین وَ الحمدُ
لِلّٰهِ ربِّ العالمین۔

یعنی عالم با عمل۔ فاضل کامل۔ زاہد
تقوے ورع۔ متقی۔ پاکیزہ۔ مجمع
فضائل۔ و منبع فواضل حضرت
شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالیٰ ہر ضرر سے
اون دونوں کا نگہبان ہو۔ اور ہر بھلائی سے
اون کو حصہ دے۔ اور ہمارے گناہ بخشے
اور ہمارے عیب چھپائے۔ اور ہمارے بوجھ
ہلکے کرے۔ اور ہماری آرزوئیں پوری کرے
اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار
نبی رؤف رحیم علیه وعلیٰ آله افضل الصلوۃ
والتسلیم کی طرف اپنے قبول و رضا کے ساتھ
عود کرنا نصیب فرمائے۔ یہانتک کہ آخر میں ہمیں ایمان
کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن
ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے
اللہ تعالیٰ اونپر درود و سلام بھیجے اور اونکی آل
و اصحاب پر۔ اور اپنی برکت و تکریم اونپر اتارے آمین
وَالحمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العٰلمین۔

کتبه عبده المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنه بمحمد ن المصطفی النبی الامی
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفیٰ احمد رضا خان

Marfat.com

فتویٰ حامئ سنت ماحی بدعت جناب مولانا مولوی محمد ارشاد حسین شاہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آجکل رائج ہیں ان کا خرید وفروخت زیادہ وکم پر جائز ہے۔ یا نہیں؟ بینوا توجروا ◆

الجواب ہو الملہم للصواب - خرید وفروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے۔ اسواسطے کہ لکلم نے اسکو مال قرار دیا ہے اور جو شئے کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جاوے خواہ وہ فی اصلہ اوس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اوس میں ثابت ہو جاتی ہے۔ اور کم وبیش پر اوسکی خرید وفروخت جائز ہو جاتی ہے۔ قال فی الهدایة ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیة تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانهما وکبیع الدرهم بالدرهمین ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما اذ لا ولایة للغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعیین انتہی۔ پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے۔ مالیت ثابت ہوئی۔ تو اس کا بھی خرید وفروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔ فی رد المحتار فی باب العینة حتی لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ انتہی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

الجواب صواب محمد ارشاد حسین احمدی	البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے۔ فقط العبد محمد عبد القادر عفی عنہ	محمد ریاست علی خاں
الجواب صواب محمد حسن	بلا شبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط	الجواب صحیح کتبہ حامد حسین عفی عنہ ◆
الجواب ھو الجواب محمد نظر علی	العبد ابو القاسم محمد فضل حق عفی عنہ	حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے العبد
الجواب صحیح محمد اعجاز حسین	الجواب صواب محمد عبد الجلیل بن محمد عبد الحق خاں۔	محمد عنایت اللہ عفی عنہ

كَاسِرُ السَّفِيْهِ الْوَاهِمْ

فِی

اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ

۱۳ ھ ۲۹

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَةِ النُّوْطِ

۱۳ ھ ۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الحمد للہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ) نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا۔ اسوقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔ اونکا فتویٰ اگرچہ وہاں موجود نہ تھا۔ مگر اسکا مضمون ذہن میں تھا۔ بفضلہ تعالیٰ گیارہویں مسئلہ میں اوسکا وافی وشافی رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے۔ وللہ الحمد یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھیرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم بیش در کنار برابر کو بھی اوسکی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اسپر بقدر کفایت بحث ہوئی۔ جس نے حق کے چہرے سے نقاب

Marfat.com

ہوشائی۔ اور سفاہت السفہا گھر تک پہنچائی۔ والحمد للہ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اوس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو۔ لیکن نفع برادران دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا۔ کہ اون دونوں تحریروں کو ذکر کروں۔ اور اونکے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے۔ اوسکا پتا دوں۔ اور باتفضلہٖ توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اوس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے۔ اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ قول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھا جائے کہ اون کو نفس مبادلہ وبیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے۔ اور وہم کے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو۔ جائز رکھتے ہیں۔ اور دربارہ کم وبیش وہم ممانعت ہے۔ ہٰذا وباللہ التوفیق

ردّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوے ص۱۶۹ میں ہے نوٹ وثیقہ اوس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے۔ اسواسطے کہ نوٹ میں نقصان آجاوے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہوجاوے۔ تو بشرط ثبوت اوسکا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا۔ تو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے۔ کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہوجاوے۔ تو بائع سے بدل لے سکیں۔ پس اسی تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا۔ کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے۔ اور نوٹ تقدیر اول میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں۔ اور نوٹ تمسک ہے اوس پر زکوٰۃ ہوگی۔ اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے۔ کہ نوٹ کو مبیع سمجھکر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط۔ اور جلد اول صفحہ ۷۵ و ۷۶ میں ہے۔ نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں۔ مگر اس میں حیلہ حوالہ ہوسکتا ہے۔ اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے۔ مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے۔ یہ تفصیل اس کی ہے۔ فقط

Marfat.com

جناب گنگوہی صاحب نے اوّل نوٹ کو تمسک بنایا۔ اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے۔ اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے۔ وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی۔ اوس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھیرایا۔ اگرچہ برابر کو ہے۔ مگر خود ہی اسی جلد دوم کے صفحہ ۱۷۳ پر فرمانے والے تھے۔ کہ روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرا دینا ہے۔ اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کر چکا ہوں۔ نوٹ آئینگے کس گھر سے؟ کہ رجسٹری کرا کر مرسل ہوں۔ ناچار ادھر ادھر ٹٹولا۔ حوالہ پر ہاتھ پڑا۔ لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گڑھ دی۔ کہ بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے۔ یعنے زید نے عمرو سے جو پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اوسے دیئے۔ وہ اگرچہ خریدم و فروختم کہہ رہے ہیں۔ مگر زبردستی اونکے سر یہ منڈھو۔ کہ نہ بیچا۔ نہ مول لیا۔ نہ قیمت دی۔ بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیئے۔ اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا۔ وہ بھی قرض کا لین دین تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا۔ کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی۔ اور اوس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اوس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ تاکہ سند باشد وعند الحاجۃ بکار آید۔ اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا۔ اس نے زید سے پانچ روپے اودھار لئے۔ اور وہی تمسک اب اوسے پکڑا دیا۔ کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں۔ جنکو برسیں گزریں۔ اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے۔ ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر لوتار دیئے۔ تم اوس سے وصول کر لینا۔ یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے۔ اس کا ردّ کافی رسالہ کے صفحہ ۱۳ و ۱۵ میں گزرا۔ پھر بھی اوسکی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں۔ کہ اوس کے ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ **فاقول** و باللہ التوفیق

اوّل تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں۔ زبردستی اوس سے تڑا کر وہ عقد اون کے سر چپیٹو جو اون کے خواب و خیال میں نہیں۔ گنگوہ کے کوردہ سے اٹھکر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ۔ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو۔ بالکل اپنی ملک سے نوٹ کا خارج

ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اوس کے عوض روپے دیکر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے۔ یا یہ کہ نوٹ دینے والا اوس سے قرض مانگتا ہے۔ اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے العبرۃ فی العقود للمعانی عقود میں معانی کا اعتبار ہے۔ مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے۔ قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد یہی مفہوم یہی مفاد اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہدیجیے۔ کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو۔ مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور۔ اور اگر ایسی تصحیح ہو۔ تو دنیا میں فاسد سا فاسد عقد ٹھیک ہو جائیگا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ سیر بھر چاندی کو بیع کیا۔ تو اگرچہ اونہوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور اون کا قصد بھی یہی تھا۔ مگر یوں ٹھیرلیے۔ کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں۔ مگر یہ بیع نہ تھی۔ بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا۔ عمرو نے اسکی جزا میں سیر بھر چاندی اوسکو ہبہ کر دی۔ اس میں کیا حرج ہوا۔ لہٰذا سود حلال طیب ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہبہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوسکے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان فلانا اھدٰی الی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات الحدیث۔ تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے۔ اور سود حلال کر لیجیے۔ ایسے حیلے حوالے کرے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہیں۔ مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے اونکو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ۔ فتح میں اوس کی شرح میں فرمایا۔ تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقد ان البیع فیہ لا فی غیرہ۔ ہدایہ میں ہے۔ التغییر لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف فتح میں شرح میں فرمایا تغییر کتصرفھما لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الی ان قال) فھٰذہ احکام اجماعیۃ کلھا دالۃ علی ان تغییر التصرف لا یجوز وان کان یتوصل بہ الی تصحیحہ ہدایہ میں اسی کے متعلق

Marfat.com

۴- فیہ تغییر وصفہ لا اصلہ عنایہ میں اسکی شرح میں فرمایا والجواب عن تغییر تصرفہ ان یقال فیہ تغییر وصف التصرف او اصلہ والاول مسلم ولا نسلم انہ مانع عن الجواز والثانی ممنوع ہدایہ میں ہے اذا اشتریٰ قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعھما مرابحۃ لا یجوز وان امکن صرف الربح الی الثواب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثواب نتح میں ہے۔ اما مسئلۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب۔ ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا۔ کہ متعاقدین جو عقد کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ باطل و فاسد ہو۔ اور دوسرا عقد ٹھیرانے میں اوسکی تصحیح ہوتی ہو۔ ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں۔ اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جبکہ اوس میں اصل عقد عاقدین کی تغییر ہوتی ہو۔ اور تصریح فرمائی۔ کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے۔ کہ بالاجماع جائز نہیں۔ حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی۔ تو بیع کی نوع سے کایا پلٹ کر کے حوالہ کر دینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا۔ آپ کے لیکھے بیع نہ ہوئی۔ افیونی کی ریوڑی ہوئی۔ کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے۔ کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو۔ تو عمرو بذریعہ تمسک اوس سے وصول کر سکے۔ تمسک اسلئے نہیں ہوتا۔ کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے۔ اوس کے دام وصول کرلے۔ زید کے پاس عمرو بکر خالد ولید دنیا بھر کا کوئی شخص لیے لے کر آئے۔ یہ اوسے دام پرکھا دے۔ بلکہ زید و عمرو دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں تیسرا شخص محض اجنبی چوتھے شخص نرے بیگانے کو دیکر اوس سے دام لے لے۔ دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے۔ اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے۔ اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو۔ جبکہ یہاں کا سکہ اوس سلطنت میں چلتا ہو۔ جس شخص سے چاہے۔ اوس کے دام لے لیگا۔ یہ حالت یقیناً مال کی ہے۔ نہ کہ تمسک کی۔ تو اوسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے۔ بلکہ وہ بالیقین مال ہے۔ سکہ ہے۔ ولکن

Marfat.com

العُمیانَ لا یُبصِرُونَ ۔

سوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ جب دَین ثابت ہو۔ مدیون پر دینا لازم آئیگا تمسک ہے یا نہ ہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دیکر خزانہ سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لیئے۔ اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیئے۔ تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے۔ اگرچہ نوٹ اوس کے پاس جل گئے۔ یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئے۔ یا چوری گئے۔ یا اوس نے کسی کو دیدیئے۔ کہ خزانہ آپ کے نزدیک ادسکا مدیون ہے۔ اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا۔ اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ کہ مبادا نوٹ نہ جلے۔ نہ پھٹے۔ بلکہ اس کے پاس موجود رہیں۔ یا اوس نے کسی کو دیدیئے ہوں۔ تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑیگا۔ دوبارہ کیوں دینا ہوگا یہ لایا تو کہدیا جائیگا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا۔ اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے۔ اور دوسرا لایا۔ تو کہدیا جائیگا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں۔ اب ہم پر مطالبہ نہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر یا کسی کو دیکر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے۔ تو اگر اوس نے پاگل جانا تو اقرار کو پھیر دیگی۔ ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی۔ اوسوقت آپ کی آنکھیں کھلینگی۔ کہ نوٹ کیسا تمسک تھا۔ یہ حالت صراحۃً مال کی ہے۔ کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اوسے تلف کردے۔ یا کسی کو دیدے۔ اور اپنے روپے بائع سے مانگے۔ تو کم از کم پاگل ٹھیرتا ہے ۔

چہارم۔ یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے۔ یا نقصان آجائے۔ تو بدلوا سکتے ہیں۔ یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں۔ اور اگر تمسک ہوتا۔ تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک و تلف کر دینے سے دَین پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور بعض میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی۔ تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا۔ سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی۔ کہ ہزار کیمیا کو اوس سے کچھ نسبت نہیں۔ چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں۔ دس ہزار کا کردیں۔ ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لیئے بعض رعایتیں کی ضرورت تھی۔ ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے۔ آگ میں جلجائے۔ پانی میں گلجائے۔ استعمال سے چاک ہو

Marfat.com

گُم ہو جائے۔ لیا ہو۔ کیا ہو۔ تو ہمارا مال یُونہی برباد ہو۔ اُسکی تسکین کے لئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ مالک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں۔ برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں کرتے ہیں کہ اس مُدت میں بگڑے۔ یا بیکار ہو۔ تو بنا دینگے۔ بدل دینگے۔ یہاں بھی کہدینا کہ بھلا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسی ہے۔ کہ آپ ایک کوڑی میں رہ کر دُنیا بھر کا ناحق ٹھیکا لیں۔ ہاں یہ کہیئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا ؛

پنجم۔ سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اوسے ہر قرض و دَین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے۔ یہانتک کہ جو شخص سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرے۔ یا وہ ملازم جنکی تنخواہ کا کچھ حصّہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر اونکو دیا جاتا ہے۔ وہ مانگیں۔ یا نہ مانگیں ساری مُدت کا سُود حساب لگاکر اونہیں دیتی ہے۔ بلکہ وُہ کہے کہ میں سُود نہ لونگا۔ جب بھی ماہوار سُود اُسکے نام سے درج ہوتا رہتا ہے۔ اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کرکے اوسکا وثیقہ لینا ہوتا۔ تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اوسکے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دیکر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سُود مانگیں۔ اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سُود بلکہ سوٗر کھانے سے بدتر ہے۔ خیر آپ نہ جائیے۔ امتحان کے لئے کسی بنیئے کو بھیج دیکھیئے۔ کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اوس ہزار کا سُود گورنمنٹ سے مانگنے جائے۔ دیکھیئے تو ابھی اوسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا۔ اور جتنی اوسپر پڑینگی حقیقۃً اوسپر نہ ہونگی۔ بلکہ اوسپر ہونگی جس نے اوسے یہ حکمہ دیا تھا۔ کہ نوٹ کی خریداری نہیں۔ بلکہ روپیہ قرض دیکر تمسک لینا ہے ؛

ششم۔ زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو اور دو سو ہزار قرض لیتا رہے۔ اس تمام مُدت میں تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا۔ اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئیگی۔ بدل دیگا۔ یہانتک کہ اوسپر عمرو کے دس ہزار جمع ہو گئے۔ اب اوس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیدیئے۔ اسی وقت سے اوسکا حساب بند ہو جائیگا۔ عمرو سب تمسکات اوسے پھیر دیگا۔ اونسے فارخطی لکھ دیگا۔ زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھیگا کہ قرضہ دلیم دام وصول ہو گیا۔ مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں۔ دس ہزار

Marfat.com

کے نوٹ دیئے۔ تو کیا ہوا۔ وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی۔ اس جہان بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا ۔

ھفتم۔ فرض کیجیے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے۔ اور تمسک لکھدیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائیگا۔ تین برس گذرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دیدیے تمام جہان اور بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھینگے کہ قرض ادا ہو گیا۔ مگر گنگوہی صاحب سے پوچھیے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے۔ تو اس فضول کارروائی کا محصل کیا ہوا۔ تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا۔ اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی؟ بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا۔ کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اوتار دیا۔ گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا۔ اوسکا قرض اوسی پر تو رہا۔ اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھیے۔ نرے تمسک پر بھول کر حساب بند کر بیٹھا۔ ظاہراً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند۔ تو سب کی بند ۔

ھشتم۔ حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اوتارنے کو کہتے ہیں۔ تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو۔ اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے۔ تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو۔ نہ زید کا قرض بکر پر اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے۔ تو یہ محض باطل و بے اثر ہے۔ اگرچہ بکر اوس حوالہ کو قبول بھی کرلے۔ کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اوتارتا ہے۔ نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کراتا ہے۔ بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لیلے۔ بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا۔ کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دونگا۔ اور محض وعدہ پر جبر نہیں لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں عالمگیری میں ہے اذا احال رجلا علی غریمه ولیس للمحتال علی المحیل دین فهذه وکالة ولیست بحوالة کذا فی الخلاصة اوسی میں ہے احال علیه مائة من الحنطة ولم یکن للمحیل علی المحتال علیه شیء ولا للمحتال له علی المحیل فقبل المحتال علیه ذلك لا شیء علیه کذا فی القنیة۔ اب فرض کیجیے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی۔ اوس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے۔ بنک نے وہی نوٹ دیدیے

تمام دُنیا تو یہی جانیگی۔ کہ بنک نے ضرور قرض دیا۔ مگر آپ اپنی کہئیے۔ اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا۔ انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اوس سے قرض مانگا۔ اوس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دیکر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا۔ یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا۔ کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کر و۔ ہم کچھ نہ دینگے۔ لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں۔ تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو۔ یہ کیا قرض دینا ہوا۔ زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں۔ زید اوس سے اور قرض لینے گئے۔ اسپر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے۔ اوسی سے وصول کر لو۔ تو اوس نے یہ قرض دیا۔ یا ٹال دیا۔ بلکہ اسے یوں ٹھیراؤ کہ دَین معاف کیا۔ اور تمسک واپس دیئے۔ معاملہ ختم ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لیلے۔ اور کوڑی نہ دے۔ سستے چھوٹے

نهم۔ فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے۔ پھر ایک وقت پر اوس سے قرض مانگا۔ اوس نے وُہی نوٹ دیدیئے۔ دُنیا جانیگی۔ کہ گورنمنٹ پر اوس کے بیس لاکھ قرض ہو گئے۔ مگر گنگوہی صاحب کہینگے۔ ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے۔ اور اوسے کچھ نہ دے۔ اسلیئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا۔ نہ جس پر حوالہ کیا اوسپر اوسکا پہلے کوئی دَین تھا۔ تو کارروائی باطل ہوئی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آلے گا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ غرض یہ آپ نے وہ گڑھی ہے۔ کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہو نہ ملک بھر کے خیال میں۔ آپ یہی اپنی ڈیڑھ کی الگ بگھار رہے ہیں +

دهم۔ حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے۔ اور دائن محتال۔ اور جس پر قرض اوتارا گیا کہ اوس سے وصول کر لینا اوسے محتال علیہ یا حویل کہئیے۔ یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے۔ تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا۔ اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ محیل کا اوسپر کچھ نہ آتا ہو۔ کہ اوس نے جب حوالہ قبول کر لیا۔ تو اوس کا دَین اپنے سر لیا۔ اگرچہ اوسکا اوسپر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو۔ اور محیل کا حوالہ مان کر اوس کا دَین محتال کو ادا کر دے۔ تو اوسی قدر محیل سے واپس لیگا۔ کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے۔ اور اگر محتال حویل

Marfat.com

کو دَین ہبہ کر دے۔ یا کہے میں نے وُہ دَین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والیگا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے۔ فحرانطها الراء بعضها یرجع الی المحتال علیه منه رضاه وقبول الحوالة سواء کان علیه دین او لم یکن عند علمائنا رحمهم الله تعالیٰ کذا فی المحیط اھ ملتقطا۔ اوسی میں ہے۔ اذا ادی المحتال علیه الی المحتال له او وهبه له او تصدق به علیه او مات المحتال له فورثه المحتال علیه یرجع فی ذلک کله علی المحیل ولو ابرأ المحتال له المحتال علیه برئی ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصة واذا قال للمحتال علیه قد ترکته لک کان للمحتال علیه ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانة المفتاوی ردّ المحتار میں ہے۔ المحال لو ابرأ المحال علیه لم یرجع علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالة ولو وهبه رجع ان لم یکن للمحیل علیه دین وتمامه فی البحر۔ اب فرض کیجیے۔ کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار کا نوٹ آپ کو انعام دیا۔ ایک بنئے نے روپے دیکر آپ سے خرید لیا۔ پھر کسی موقع پر اوس نے گورنمنٹ کی نذر کر دیا۔ اب وہی صورت آگئی۔ آپ بنئے کے محیل تھے۔ اور بنیا محتال۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپکی مدیون نہ تھی۔ آپ بنئے کے مدیون تھے۔ آپ نے اپنا دَین نوٹ دیکر گورنمنٹ پر اوتار دیا تھا۔ اور گورنمنٹ اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا۔ روپیہ پائیگا۔ حوالہ قبول کر چکی۔ اور بنیئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دَین گورنمنٹ کو نذر کر دیا۔ ہبہ کر دیا۔ ترک کر دیا۔ تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کر سکے۔ اوسوقت آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا۔ کہ نوٹ کے نوٹ غائب۔ اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب۔ بحمد اللہ۔ اس سفاہت کا بہت طرح رد ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو تلک عشرة کاملة۔ یہ پورے دس کیا کم ہیں۔ وباللہ التوفیق ✦

یازدھم۔ تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے۔ آپ کو اس میں کیا دکھنی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اور ھیے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکیئے۔ مگر اوسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی۔ کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وسائر محبوبان خدا جل وعلا کی تعظیم ومحبت کے پہلے لئے ہو۔ اوس میں اپنا جد کی تگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام بدعت

گاؤ۔ اور اپنے معتقدوں کیلئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ۔ کوا کھانا حلال! بلکہ ثواب (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۱۰۹) بکرے خصیے کھانا حلال (دیکھو جلد ۳ صفحہ ۱۵) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا۔ کوا کالا کالا۔ یہ گورے گورے۔ ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہیئے تھا۔ پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں کراہت درکنار کراہت کا شبہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا۔ ایسا مقدس ہے کہ اوسے تعمیر مساجد میں صرف کرنا بھی درست ہے (دیکھو جلد اول صفحہ ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ ببدعات توہین و تنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی۔ ۶ ہر شکم و لقمۂ شایان او غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی۔ نوٹ کی خرید و فروخت اور اوسے مال سمجھنے میں کونسا حصہ تعظیم و محبت محبوبانِ خدا کا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا۔ وجہ تو بتایئے۔ کہ یہ تمام عالم کا اوسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھیرا ثمن اصطلاحی ٹھیرانے میں اصطلاح قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے۔ یہاں جملہ اقوام و تمام ممالکِ عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ پوچھے کہ آپ ہیں کون۔ اصطلاح جملہ جہان میں دخل دینے والے۔ نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۱۹ تک سوچیئے

دوازدھم: پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اوسوقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی نہیں۔ اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو۔ نہ خلقی غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہما میں ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتہا والا فلا درمختار و بحرالرائق و نہر الفائق میں ہے ما غلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ شامی میں ہے ما کان ثمنا رائجا تجب زکوتہ سواء نوی التجارۃ اولا اوسی میں ہے۔ عین النقدین لا یحتاج الی نیۃ التجارۃ وکذا ما کان ثمنا رائجا۔ بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے ہے۔ ان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظر ان کانت رائجۃ او نوی التجارۃ اعتبرت قیمتہا فان بلغت نصابا وجبت فیہا الزکوٰۃ والا فلا صفحہ ۲۵

دیکھئے کیسے کیسے بڑے فتوے ہیں۔ ایک آدھ روایت نقل میں آجانا اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح

Marfat.com

و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا۔ مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقاہت بحمد اللہ تعالیٰ نصیب دشمنان ہے۔ آن وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی ہوا فرات ہیں۔ مثلاً (۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے۔ اور پھر اوسی مُنہ میں یہ کہ تمسک ہے (۱۴) تمسک کو کہنا کہ اوس پر زکوٰۃ ہے۔ حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں۔ نہ اسکے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب وعدم میں کچھ دخل۔ (۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اوسکی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا۔ کیا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ ابھی تو آپ بیسیوں کو مبیع کہکر بحال نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔ (۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا۔ شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا۔ نہ اون کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔ (۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا۔ اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۲۷ اپر خود فرماتے ہیں۔ کہ نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے۔ سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا۔ خریدا کیسے جائیگا۔ مگر حضرت کی اون عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی؟ ع ماعلی مثله یعد الخطاء نسأل الله العفو والعافیة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم (۱۸) آپ کیا جواب دینگے۔ اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے۔ کہ جب آپ نے اوس عقد کو کہ لفظاً میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا۔ تمام جہان کے فہم وارادہ کے خلاف کایا پلٹ کرکے حوالہ تراش لیا۔ تو آپ اب کس مُنہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے۔ زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہرا لیتے؟ کہ زید نے جو عمرو کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے۔ یہ یہ نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو۔ بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لیے ہیں۔ اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے۔ وہ اوس پر اوتار دیے۔ رہے پچیس۔ وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیے۔ اس میں کونسا ربا ہے۔ فتاوی امام قاضی خاں سے رسالہ کے صفحہ ۶ میں گذرا۔ فان اراد الحیلة یستقرض من المشتری اثنی عشر درهما مکسرة ثم یقضیه عشرة جیادا ثم ان المقرض یبرئه عن درهمین فیجوز ذلک۔ نیز خانیہ سے اوسکے متصل گذرا۔ فان اراد الحیلة یأخذ التسعة بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی۔ اگر کہیئے یہ قرض بشرط ابراء عن البعض ہوا۔ تو اوگلا کیوں نہ کہیئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لیکر سوا سو دیا ہے

Marfat.com

تو قرض بعض و ہبہ بعض ہوا۔ پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعیض مضر ہو۔ جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح و روا ہے اور آپ کا حکم بطل و باد ہوا ہے۔ ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو۔ ربا کہاں سے آیا۔ ثانیاً۔ قرض شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے۔ تو یہ کہئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے۔ دکر سود ہوا۔ فافهم ان کنت تفهم۔ لکنك تفهم انك لا تفهم۔ والله سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ردِّ وہم

بحمد اللہ تعالٰے مولوی صاحب لکھنوی کے رد میں کلام شبیع گذرا۔ مسئلہ یازدہم خاص اونہیں کے رد میں تھا۔ بلکہ کتاب کا اکثر حصہ اونکے رد میں ہے۔ یہاں غالباً اونکا پتہ دینے پر اکتفا ہو۔ مولوی صاحب کی جلد دوم فتویٰ نمبر ۲۶ **قولہ ھو المصوب** **اقول** مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ اولاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں۔ **ثانیاً** معنی لغت بھی اوسکے مساعد نہیں۔ لغت میں مصوِّب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے۔ نہ وہ جو اوسکی بات کو ٹھیک بنائے۔ یعنی اوسے توفیق صواب بخشے۔ تصویب بعد وقوع قول ہوتی ہے۔ اور توفیق صواب اوس سے مقدم۔ **ثالثاً**۔ اس کے اور معنی بھی ہیں۔ کہ باری عزوجل پر محال ہیں مصوِّب وہ جو سر جھکائے ہو۔ مصوِّب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے۔ صوبه قال له اصبت و راسه خفضه۔ تاج العروس میں ہے۔ صوبت الفرس اذا ارسلته فی الجری ہاں مصوِّب وہ بھی ہے کہ جو دوسرے کا سر نیچا کرے۔ یا بلندی سے پستی میں اوتارے۔ تاج العروس میں ہے۔ التصويب خلاف التصعيد ومن قطع سدرة صوب الله راسه فی النار ای نكسه اھ مختصراً۔ یہ اگر ہوتا۔ تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا۔ کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی۔ پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں۔ تو احتمال مقام میں خود متکلم کی طرف اوسکی اضافت مفہوم ہوتی ہے۔ جیسے ھو الھادی سے شروع کرنا اسپر دلالت کرتا ہے۔ کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی۔ کہ الٰہی قائل کا سر نیچا کردے۔ الٰہی اوسے پستی میں ڈالدے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی۔ مگر

منکر یا پسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے۔ وباللہ التوفیق **قولہ** نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں

Marfat.com

مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے - اقول - اولاً یونہی اکنیاں اور پیسے بھی پھر اس سے کیا حاصل ہوا؟ ثانیاً - اگر یہ مراد کہ اہلِ عُرف اوسکے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں - تو صریح غلط - بلکہ عامۂ اہلِ عرف اون احکام سے آگاہ بھی نہیں - بلکہ یہ عُرف مؤمنین و کافرین میں مشترک - اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہلِ عرف متعلق ہیں - اون سب میں نوٹ کو اوسکا قائم مقام سمجھتے ہیں - جب بھی غلط - ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزئین ظروف وغیرہا میں تجمّل ہے اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں - اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تموّل اور حوائج تک اوسکے ذریعہ سے توسّل میں نائب مناب جانتے ہیں - تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہلِ عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اوسے مثل ثمن کام میں لائیں - پھر اس سے جملہ احکام شرعیۂ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا - کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرقِ احکام نہیں - ثالثاً حکم شئے میں ہونا جنس و قدر شے میں شئے سے اتحاد نہیں - اور یہاں بتصریح حدیث و جملہ کتب فقہ اسی پر مدار ہے -

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے - اقول اولاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں - اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلم نہیں - کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا - اگر کہیے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اوسے ایسا ہی سمجھتے ہیں - جیسے روپیہ اشرفی - تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہُوا - نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا - تو بلکہ لغو - بلکہ غلط ہُوا - ثانیاً - نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے - اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال - اور اہلِ عرف مجانین نہیں - اور تاویل مذکور بلکہ سے مہجور ثالثاً اگر بفرض غلط اہلِ عرف ایسا سمجھ بھی لیتے - تو شرع مطہر تو عذریہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی - کہ اونکے سمجھ لینے سے خود بھی اوسے عین ثمن ترمہ دیکر جملہ احکام ثمن نافذ فرما دے - رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر اور نوٹ فی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے - اوس کا عین مفہوم کلی معنی جنسی سمجھا جانا تو بداہۃً باطل اسی طرح انواع متباینہ و متباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تثلیث کریگی - اور وہ شرعاً باطل ہونیکے علاوہ مقصود پر نقض سے خود کریگی - کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث و اجماع اُمت تفاضل حلال قولہ اسوجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کرے - تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے - اقول - اولاً اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کرے

Marfat.com

جب بھی مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے۔ تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے۔ اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہو جائیگا۔ کیونکہ عین کا عین۔ اور لفظ اصل حشو ہے۔ ثانیاً۔ یہ تو ظاہر عبارت پر تھا۔ اب حل سنیے لیتا ہو سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ یہی حکم شرع ہے کہ اوس پر جبر ہوگا۔ اول مسلم اور اوس سے وہم عینیت مدفوع۔ اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے۔ جب بھی لا یغنی من جوع۔ کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے۔ تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لیگا۔ اور اوسمیں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہیں سمجھیگا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے۔ اور ثانی میں جبر متلف پر ہے۔ یعنی اوسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے۔ یا مالک پر کہ اوسے قبول عدد پر جبر کرینگے۔ اول مرادہٗ باطل۔ وہ سَو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے۔ اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ وہی حکم اصل ہے۔ کہ نوٹ مثلی ہے۔ بعہذا یہ مقصود پر نقض کے ساتھ عائد ہوگا۔ کہ اتلاف نوٹ میں ادائے درہم پہ جبر ہو۔ تو نوٹ قیمتی ٹھہرے۔ اور روپیہ مثلی ہے۔ اور قیمتی و مثلی ایک نہیں سمجھے جا سکتے۔ اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنے والا مخیر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اسکا بیان رسالہ کے صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک دیکھئے۔ **قولہ** اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ تو مقصود اوس سے قیمت ملنا اوس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے۔ بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اوس کی قیمت لینا ہوتا ہے

اقول (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ صفحہ ۱۲۸ میں گزرے۔ اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ اس کے بھی پانچ رد گزرے چار صفحہ ۱۲۱ پر۔ اول یہ کہ بحسب تصریح علما کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے۔ نہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے۔ سوم حقیر شَے کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہو جاتی ہے۔ چہارم ورق علم کا مسئلہ۔ اور پانچواں رد صفحہ ۱۳۰ پر کہ تقویم میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔ **قولہ** اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے[1]۔ یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر ساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے

---

[1] یہاں متصل دو سطروں میں تین جگہ دیوے ہے۔ اس پر بعض فصحا نے کہا کہ عجب اس فہیم سے جو دیوے لیوے بولے۔ حالانکہ لکھنؤ میں رہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ اعتراض بیجا سا ہے۔ ایسے فصحا معانی میں یوں خرق ہوتے ہیں جیسے ثمن میں نوٹ۔ تو اونکے الفاظ ساقط الاعتبار ہیں ۱۲ کاتب عفی عنہ

لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے۔ تو دائن نہیں لیتا ہے۔ اقول اوّلاً پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے۔ یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد قطعی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا۔ کہ سونا جب چاندی سے بیچیں۔ دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی بیشی ہوئی۔ تو سود و حرام و گناہ کبیرہ و استحقاق نار جحیم و عذاب الیم ہوگا۔ یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ و تواتر قطعی و عقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے ثانیاً آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے۔ تو وقت ادا پیسے ہی دیئے۔ یا آٹھ اکنیاں۔ یا ایک اٹھنی۔ تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے۔ اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہو چکے ہیں۔ تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔ اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے۔ ایک چھدام بھی زیادہ ہوا۔ تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہی۔ والعیاذ باللہ تعالےٰ۔ اور تو کیا عرض کروں ملکی صراف اگر آپ کے اس فتاوے پر عمل کرلیں۔ تو بازار تو ایک ہی دن میں چٹ ہو جائے۔ ثالثاً پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے۔ ایک دس اور ایک پانچ کا۔ یا تینوں پانچ پانچ کے۔ تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے۔ یا ایک ساورن۔ دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے۔ اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کر چکے ہیں۔ اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین ہیں ولہٰذا باجماع امت و تواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے۔ تو شئے واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا۔ کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا۔ بلکہ اوسکی وجہ وہی قسادی رواج والیت ہے جس کا بیان صفحہ ۱۰۱ سے صفحہ ۱۱۰ تک گزرا۔ رابعاً حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے۔ کہیں اتحاد جنس ہو اور قبول نہیں لیا سمجھتے کا گٹا خریدنے والا اوسکے بدلے اشرفیاں نہ لیگا۔ کہیں قبول ہی۔ اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی۔ روپے اور نوٹ۔ نوٹ اور اشرفی۔ اٹھنی اور پیسے۔ اٹھنی اور اکنیاں۔ اور مادہ اجتماع

Marfat.com

ظاہر ہے۔ تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے۔ لہٰذا حیوان ہے۔ کوا حیوان ہے۔ لہٰذا ابیض ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ خامسًا[۲۹]۔ یہ شبہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا۔ وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی۔ یہاں قرض سے۔ بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہ کی جڑ ہے۔ اس غرض کیلئے کہ کچھ تو شاندار ہو جائے۔ اوسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں۔ ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہوا۔ کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصر تھی۔ مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی۔ عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں۔ اور ممکن کہ باوصف تغایر جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر ہو۔ ہاں عذر نہ ہو سکتا کچھ وہم ڈالتا۔ مگر ہم انہیں صفحات میں بحر الرائق و ردّ المحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس بہنگام استیلاء سے رواج و الیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے۔ اور عذر لغت قرار پاتا ہے۔ تو اب جڑ کا شبہ جڑ سے اکھڑ گیا۔ وللہ الحمد سادسًا[۳۰] طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بتقید ٹھیرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ اوسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر ورود عقد بیان فرما چکے ہیں۔ اور بلا فصل اوس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اوسکے تعین جنس نقد بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ تناقض کیا بالطف ہے۔ سابعًا[۳۱] میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں۔ وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سَو روپے کا مال بتایا۔ جس کا تاوان سَو روپے آیا۔ دوسرے فقرہ میں اسے مورد عقد سے جلا وطن ہونیکا حکم فرمایا۔ کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں۔ وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں۔ تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے۔ تو پھر سَو روپے کا۔ بلکہ سَو روپے سے متحد الجنس ہو گیا۔ ثامنًا[۳۲] لطف یہ کہ دعوے تو وہ فرمایا۔ کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی۔ اور اوسکے دلائل میں یہ کہ روپوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے۔ نہ اوس کاغذ کا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ۔ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا۔ خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا۔ نہ کہ روپوں کا تو دلیل مناقض دعوے ہے۔ فافہم[۱]

---

[۱] اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کے لئے شاید ایک تاویل گھڑیے کہ ہم نے اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اوسی کو روپیہ جانا۔ مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت بھصلاف مکابرہ اور دعوے پر صریح مصادرہ ہے۔ کما لا یخفی۔ لہٰذا نہ قابل سماعت۔ نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات بتا بن جائے۔ یہ بہر حال ممکن ۱۲ منہ حفظہ ربہ۔

Marfat.com

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں۔ مگر یہ کیفیت اونکی نہیں ہے ۔اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے۔ اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے۔ یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اُسپر جبر نہیں ہوسکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ اقول اوّلاً۔ خلاف منصوص ہے جیسا کہ گذرا۔ ثانیاً مشاہدہ کے خلاف۔ اور یوں اعتبار نہ آئے۔ تو اسکا عکس کر دیکھیے۔ کہ ۶۴ پیسے قرض لئے۔ یا ثمن قرار دیئے ہوں۔ اور ایک روپیہ دے۔ تو دائن وبائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا۔ بے تکلف قبول کرلیتا ہے۔ اور ضد کرے تو متعنت ہے۔ اور متعنت کی بات مردود۔ ثالثاً مولوی صاحب چوکے تو روپے کی مثال لاتے۔ تو بات قلفِ عوام میں لگتی ہوئی ہوتی۔ ...... واقعی جو سو روپے قرض لے۔ پھر اونکے بدلے چھ ہزار چار سو پیسے دینا چاہے۔ تو اوہی کہیگا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ۔ دس سیر سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں۔ مگر ساتھ ہی دوانی چوانی اٹھنی سب نقض کو آموجود ہوتیں۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجیے۔ تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی۔ اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے۔ اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں۔ تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھیرے کہ متحد کا متحد متحد ہے۔ بلکہ بلاواسطہ عینیت کیوں ہیجئے۔ اسی کا عکس دیکھیے۔ ۶۴۰۰ پیسے قرض لیئے ہوں۔ اور ادا میں سو روپے دیجئے۔ ابھی دیکھیے بلا عذر قبول ہونگے۔ اور جرمانے۔ تو قبلی ٹھیرے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ یہاں مبنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منول یوجہ ذیلبر رابعاً اگر ہم ہم کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں۔ کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہوتا فی اتحاد جنس ہے۔ تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں۔ ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو۔ تسلیم مبیع کے وقت ضرور متعذر زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے۔ کہ ۲۰ کی رجسٹری بس ہوگی۔ اور منی آرڈر ایک روپے میں ہوگا۔ خصوصاً اگر گنگوہی دھرم کا ہوا۔ تو وہ تو منی آرڈر کو حرام ہی جانیگا۔ اوس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھلائے۔ زید ہرگز نہ مانیگا تو معلوم ہوا۔ کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں ۔ قولہ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیت خلقیہ نہیں۔ بلکہ عینیت عرفیہ ہو اقول اوّلاً اس

پس کا مل بھی وہی ہے۔ جو پیشتر گذرا۔ کہ قبول باتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں۔ تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل یونہیں عدم سے عدم پر آپ کا پہلا استدلال اوس طرز کا تھا۔ کہ کوا حیوان ہے۔ لہٰذا ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں۔ لہٰذا حیوان نہیں۔ **ثانیاً** آپ نے محنت بہت اٹھائی۔ مگر افسوس کہ ہوئے بے دلیل ہی رہا۔ آپ کو چاہیئے تھا۔ کہ اولاً ثمنیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے۔ ثانیاً جس پر اتنے تفقہ چوں فقاہت اوس مناط کا یہاں تحقق پایۂ ثبوت کو پہنچاتے۔ **ثالثاً** کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں ثمنیت عرفیہ ہو۔ شرع اوسے اتحاد جنس مان لیتی ہے۔ اور جب یہ کچھ نہیں تو نرا القتباد سے کیا حاصل؟ **ثالثاً** ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی۔ اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی۔ نرے اتحادِ جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہو جاتا۔ اتحادِ قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا۔ کہ نہ کیل ہے۔ نہ موزون۔ بلکہ معدود ہے۔ تو بڑا خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے۔ تو اتحادِ قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا۔ تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔ **رابعاً** رسالہ نے صلا سے صلا تک دلیل قاہر سے ثبوت دیدیا کہ نوٹ روپوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے۔ اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی۔ تو نسیہ حرام ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔ **قولہ** پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے۔ کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اوس میں صفتِ ثمنیت آگئی ہو۔ **اقول اولاً** یہ دوسری پس اوسی پس پیش کی پس ازدہ ہے۔ جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا۔ الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ۔ **ثانیاً** بعینہ یہی حال نوٹ کا ہے۔ ولکن لا تعلمون **ثالثاً** روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے؟ صلا دیکھئے۔ ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے۔ حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں۔ حقیقۃً بھی۔ اور عرفاً بھی۔ اگر کہئے وہ جنس ثمن ضرور ہیں۔ مگر باہم تو متباین نوعیں ہیں۔ **اقول** یونہی نوٹ بھی۔ کون عاقل کہیگا۔ کہ روپیہ اور اشرفی تو دو چیزیں جدا ہیں۔ مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے۔ اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت میں دو جنسیں ہیں خلقی اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعیں

Marfat.com

نوٹ پیسے کوڑیاں اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے دو جنسیں ہیں سونا چاندی۔ شرح میں
جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں۔ ظاہر ہے۔ کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور
ہے۔ اور سونے یا چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور گہنے پتے کندنے کی اور تو نوٹ
نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقۃ الاغراض ہیں۔ کسی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا کہ
اتفاق و اختلاف متباین ہیں۔ نہ کہ جنس بالجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔
رابعًا۔ جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی۔ تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں
ہو سکتا۔ ورنہ متباین باہم متحد ہو جائیں گے۔ اور شے اپنے نفس کی مباین ہو گی۔ ناچار ایک
سے اتحاد مانیے گا۔ اور وہ نہیں۔ مگر یہی۔ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کہتے
ہیں۔ تو اشرفی سے یقینًا متحد نہ ہو گا۔ اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے۔
اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام۔ دنیا میں اس سے بڑھکر بھی کوئی عجیب فتوے
ہو گا۔ دیکھئے رسالہ ص ۱۱۱ قولہ پس ہر گاہ نوٹ عرفًا جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔
اقول اولًا اغراض کہئے۔ کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ کہ احکام شرعیہ۔ جو نہ اون
کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ اون کے اکثر کو معلوم۔ نہ اون کی طرف اونہیں التفات۔ بلکہ اکثر کو اون
پر ایمان بھی نہیں۔ تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اوسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی
اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں۔ اور بقیہ کلام رد قول
اول میں گزرا۔ ثانیًا جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں
پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی سے ہے۔ وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔ ثالثًا روپے اشرفیاں
تو خود عین ثمن خلقی ہیں۔ کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔ ان میں کیوں درست ہوا۔

قولہ۔ باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائیگا۔ اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔ اقول اولًا
یہاں آکر اس تیسری لپس کا خاتمہ ہوا۔ اور پہلی دلیل نے دم توڑا۔ مگر یہ لپس پسینہ تو سب
لپسہائے پیشینہ سے علاوہ بعقل میں لپس اور وضوح بطلان میں پیش ہے۔ سب خرابیاں
اوٹھا کر فرض کر لیجئے۔ کہ ہاں تفاضل حرام ہوا۔ تو وہی تفاضل تو حرام ہوگا۔ جو ثمن خلقی میں
حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا۔ یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی۔ اور نتیجہ دیتے وقت

Marfat.com

خیریت سے کایا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی۔ جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں۔ آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے۔ کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے۔ تو وہی حکم لازم ہوگا۔ جو ثمن خلقی میں تھا۔ نہ اوس کا غیر کہ حکم لازم شئے ہوتا ہے۔ اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم۔ اب دیکھ لیجئے کہ ثمن خلقی میں کونسا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو۔ اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں۔ اپنے طور پر یقیناً سود حلال کر رہے ہیں۔ کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا۔ دیکھئے رسالہ ص۱۱۰ تا ص۱۱۱ ۔

ثانیاً (۴۷ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں۔ ص۹۴ تا ص۹۶ ملاحظہ ہو۔ **قولہ**۔ فانما الاعمال بالنیات۔ **اقول**۔ جناب گرامی نے صغرٰی کبرٰی کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا۔ کوئی حرف سند میں نہ لائے۔ اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی محض کثرت پر گزر جائے۔ اصلاً سند کا نام تو آئے۔ لہٰذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرما دی۔ اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت۔ تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں۔ مگر آخر حدیث صحیح ہے۔ اوس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں۔ اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو۔ اسی نیت سے ہم نے لکھ دی۔ وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی۔ دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے۔ کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے۔ یہ کچھ تفاوت نہیں سمجھتے۔ اور جو جمیع احکام میں بلا تفاوت عین ہو۔ تفاضل میں بھی عین ہوگا۔ کہ یہ بھی ایک حکم ہے۔ لہٰذا نوٹ میں تفاضل حرام۔ اس میں کبرٰی تو واضح ہے۔ کہ محتاج استدلال نہیں۔ اور حدیث کا اوس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرقریزی ثبوت صغرٰی میں فرمائی ہے۔ جس کی خدمت گزاری گزری۔ کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں۔ مگر یہ فرمائیے۔ کہ حدیث اوس کا کیا ثبوت دیتی ہے۔ اعمال نیتوں پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اوس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے۔ ہاں یہ کہئے۔ کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاقد سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کر لی۔ کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے۔ تو اون کے حق میں عین ہو گیا کہ اعمال نیت پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اوس کی نیت۔ **اقول** نوٹ کا بعینہ سونا چاندی ہونا

Marfat.com

کوئی عمل نہیں۔ بیع وشراء وغیرہ معاملات عمل ہیں۔ اور نوٹ اون کا محل۔ اور محل تابع نیت نہیں ورنہ حنفیہ کا مذہب لازم آئے۔ زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اوسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اوسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی۔ صرف یہ قول باطل وگناہ ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الذین یظٰھرون منکم من نسائھم ما ھن امھٰتھم ان امھاتھم الا الّٰئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور ۝ تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں۔ وہ اون کی ماں نہیں۔ اونکی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں۔ اور وہ بیشک ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یونہی اگر بفرضِ غلط تسلیم کرلیا جائے۔ کہ اہلِ عُرف نے نیت کرلی۔ کہ نوٹ بعینہ ثمن خلقی اور بعینہ سونا چاندی ہے۔ تو اون کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا۔ نہ اصطلاحی سے خلقی اون کا اختیار اصطلاح تک ہے۔ تو اُس سے ثمن اصطلاحی ہوگا۔ نہ کہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہو جائے۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ پھر فرمائیے۔ حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ تھی؟

قولہ وفضل الربوٰ ماذون اقول۔ الحمد للہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں۔ کہ اہلِ عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے۔ کہ نوٹ بعینہ سونا چاندی ہے۔ دوسرا اوس سے بڑھکر اشد باطل۔ یہ مان لیں۔ کہ دیدہ و دانستہ اونکی اس غلط نیت سے شرع نے بھی اون کے حق میں اوسے سونا چاندی کردیا۔ تیسرا سخت باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اوسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے۔ نہ کہ مالیت میں۔ اس زبردستی کے سونے چاندی میں اوسے بالکل پلٹ دیا۔ کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے۔ نہ کہ وزن میں اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی منمانتی مان لیں مگر الحمد للہ یہی حدیث بتا رہی ہے۔ کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمرو باہم سو روپے کو بیچیں۔ مول لیں۔ خواہ ایک روپے کو سب حلال ہے جناب من جب یہاں تفاضل کا مبنے مالیت پر ٹھیرا۔ اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے۔ آپ تو خود فرماچکے ہیں۔ کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں۔ تو اہلِ عرف ہی کی اصطلاح

Marfat.com

وثیقہ سے اوسے دس روپے کا کر دیا۔ اور اون کی اصطلاح وثیقہ میں دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں۔ انہیں اپنی جدا اصطلاح وثیقہ کا اختیار ہے۔ آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں۔ بلکل امرئ ما نوی ہر شخص کے حق میں اوس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے۔ نیز رسالہ کا ص[illegible] و ص[illegible] و ص[illegible] و ص[illegible] و ص[illegible] ملاحظہ ہو۔ تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ میں اوس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اون کو دیا۔ اصطلاح عام کی پیروی نہ کی۔ بلکہ اُس سے عدول کر کے جو عرف عام نے دس روپے کا ٹھیرایا تھا۔ سو روپے یا ایک ہی روپے کا قرار دیا۔ اون پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں۔ نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا۔ کہ مالیت ہم بندے اصطلاح تھی۔ اون کے حق میں وہی مالیت ہے۔ جو اونھوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امرئ ما نوی ہر شخص اور اوس کی نیت۔ حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے۔ کہ اور لینے کے دینے پڑ گئے (لطیفہ جلیلہ) یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے گل سرسبد بتایا۔ اور آخر میں ھذا ما سنح لی فرمایا۔ یعنی یہ وہ ہے جو اچانک مجھے خیال میں آیا۔ مولوی صاحب کی اپنی سمی یاد نہیں۔ بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر عزجلالہ کے فتوے سے اخذ کی ہے۔ تیس برس ہوئے۔ فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا۔ کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سنا کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقیر نے نظر فقہی کا مقتضائے جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اوس پر استدلال کیا۔ میرا یہ فتوے مولوی صاحب کے یہاں پہنچا۔ جسے اونھوں نے اپنے مجموعہ فتاوے میں درج کیا۔ کہ اوس کی جلد دوم میں فتوے حامی سنت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے ساتھ طبع ہوا۔ اور وہیں سے مجھے ملا۔ کہ اوس وقت تک مجھے اپنے فتاوے جمع رکھنے کا التزام نہ تھا۔ اور اوسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوے معلوم ہوا۔ جس پر مجموعہ فتاوے مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے۔ اور میرا فتوے نمبر ۱۲۴ و دلیل میں حکم جواز ہے۔ پھر ایک چار سطری فتوے بعض علمائے مدراس کا نمبر ۱۲۵ ہے۔ اوس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے۔ اِس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوے ہے جس میں اونھوں نے فتوائے فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا۔ اور باقی کا کچھ جواب

نہ دیا۔ میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کُتبِ فقہیہ میں اوس کا ذکر مصرح نہیں۔ مگر تمام کُتب کا ضابطۂ کُلیہ حکم جواز بتا رہا ہے۔ حکم لکھ کر اوہام کا جواب دیکر آخر میں ھٰذا ما ظھر لی واللّٰہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم لکھا تھا۔ مولوی صاحب تے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے۔ اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ھٰذا ما سنح لی واللّٰہ اعلم بالصواب لکھا۔ یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوے میں بنام وہم لکھ کر رد کردی تھی۔ مولوی صاحب نے دلیل تو اوٹھا لی۔ اور رد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی۔ میرے فتوے میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا۔ مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا۔ لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے۔ کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے۔ مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے۔ اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے۔ لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا بحرثا اوس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے۔ تو گویا وہ سو روپے تھے۔ کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے۔ اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں۔ تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہیئے۔ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا۔ اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اوسی کو صفحہ بھر میں پھیلایا۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہوسکا۔ اوّلاً مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل۔ اور اوس کے سبب جو اضافات ہوئے آپ نے سُنے۔ میں نے ابتدا ہی سے روپے کی تخصیص کی۔ کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے۔ ثانیاً مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی۔ کہ بار بار فرمایا۔ عین سمجھا جاتا ہے۔ فرمایا عین ثمن خلقی ہے۔ اس پر جو اضافات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں۔ فقیر نے اوس کے ابتدا کو لفظ گویا زائد کردیا تھا۔ کہ گویا بعینہ روپیہ ہے۔ گویا وہ سو روپے تھے۔ ثالثاً مولوی صاحب نے اہل عُرف کے سر یہ تھوپا۔ کہ نوٹ قطعاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ جس کا رد سن چکے۔ میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا۔ کہ [illegible] اوس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے۔ وارد نہ ہوا [illegible]

Marfat.com

میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اوسکی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی - بلکہ سو روپے بیچنا اور روپوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے - یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے - اسکے اعتبار سے اون کا ما سبق لی فرمانا بجا ہے - لکل ساقطۃ لاقطۃ - اب جواب کی طرف چلیئے - فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا - گر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اوس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہائیت آسان (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے صلا سے ملا تک گزریں بیان کرکے لکھا) نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غائیت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا - کہ اصل خلقت میں سلع ہے - مگر بسبب تعارف ثمن ٹھیرا ہوا ہے - اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم و زر کے کچھ نہیں - لہٰذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں - تو ناچار ثمن کی تقدیر اثمان خلقیہ ہی سے کرینگے - اسلئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے - کہ روپے کے سولہ آنے پس جب نوٹ کو عرفاً ثمن کرنا چاہا تو اوس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی - اور یوں ٹھیرایا گیا - کہ فلاں نوٹ سو روپے کا - فلاں دو سو - فلاں ہزار کا - مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے - اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازۂ فلوس سے جو نسخہ پیسے روپے کا عین نہ ہو گئے - یوں ہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائیگا - پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں - باقی رہا عرف و اصطلاح اوسکا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انہوں نے ٹھیرا دی ہے - یہ اوس سے کم و بیش نہ کر سکیں - یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں - چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں - یا ہزار اشرفی کو خریدلیں - صرف تراضی درکار ہے و بس - امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ الخ - آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے جبین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں - مگر علماء نے اتنی سے زیادہ کے عوض مثلاً آٹھ گنے بیچنا روا رکھا - اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے - لیکن فقہا نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھیرایا - تو وجہ کیا ہے - وہی اختلاف جنس جس کے تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا - (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں ملکھ کر کہا) جب یہاں تک شرعاً جائز رہا - تو سو روپے کا نوٹ ہزار کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے - کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد الخ

Marfat.com

یہ ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہ نفیس منیر تقریر کہ بجاہ والدین قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی۔
تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔
میرے بیان کا حاصل چند امر تھے (۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں (۲) اون میں قدر
مشترک نہیں (۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اوسے ثمن اصطلاحی
کریگا۔ نہ کہ خلقی (۴) روپوں سے اندازۂ قیمت نے اوسے روپے نہ کردیا۔ ہر اصطلاحی
کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے (۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں۔ وہ
اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔ (۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز
فرمایا (۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی (۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی
میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔ کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔ مولوی
صاحب نے اولا[۱۳] کلیم کے جواب کو وہی وہم سکھا جسے لفظ گویا اوڑا کر بالکل لکھ دیا۔ مگر
دوم سے کچھ تعرض نہ کیا۔ یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہنے کہتے عینیت
حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لیے ہوں۔ یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا تو کردیا۔ پھر
اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا۔ کہ شئے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔ ثانیا[۱۴] ادعائے عینیت
پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے۔ کہ نوٹ عرفا جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور
آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائینگے۔ کہ اور تمام مقاعد ثمن خلقی کے اوس کے ساتھ متعلق
ہیں۔ اسی کو میں نے ان صحیح مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموما اوس کے ساتھ معاملہ
اثمان برتا جاتا ہے۔ میں نے امر سوم میں جو اوس کا تقریر کا رد کیا تھا۔ کہ اس سے ثمن اصطلاحی
ہوا نہ خلقی۔ اس کا جواب غائب ثالثا[۱۵]۔ اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی
لائے۔ جسے بگھوں میں پھیلایا۔ اور بات اوتنی ہی ہے۔ جو میں نے لکھی۔ کہ لین دین
میں سو کا نوٹ اور سو روپے دینے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔ اور میں نے امر
چہارم میں جو اوس کا رد کیا۔ کہ عرف نے اوسے ثمن بنایا۔ اور اصطلاحی کا اندازہ
خلقی ہی سے ہوگا۔ لہذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا۔ اور سو روپے کی جگہ کام
کیا۔ جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا۔ اور روپے کی جگہ کام آئے۔ نہ یہ
کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے۔ اس کا جواب غائب۔ رابعا[۱۶]۔ امر پنجم
میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسئلہ نہار کرگئی نہ

Marfat.com

رکھے۔ جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۴۳ میں گزرا۔ اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم شاہد۔ اوسکا جواب غائب۔ خامساً تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے ذکر میں گنائے تھے۔ اون میں بھی امر ہشتم یعنی روپے اشرفی کی گری مثال کا جواب غائب۔ اور ہفتم کے جواب کی خدمتگزاری سن چکے۔ اور ششم کا مزہ دار جواب سب میں آخر دیا ہے۔ اوس کا لطف انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اوٹھائیے گا۔ غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور تین کا جواب وہ دیا۔ کہ نہ دینا اوس سے ہزار جگہ بہتر تھا +

الحمد للہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ جلۂ اکابر فضلا کہ ائمہ مجتہدین اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں۔ کہ قال ابوحنیفۃ کذا والحق کذا۔ ابوحنیفہ نے یوں کہا۔ اور حق یوں ہے استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل۔ ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے۔ اور سب باطل ہیں۔ فہذا وہم اخر لصاحب الکتاب۔ یہاں بھی کتاب والے یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک اور وہم ہے۔ ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کی خاک پا کے زلہ ربائیں کے ادنے خوشہ چین سے خلاف کریں۔ تو اپنے لئے دلیل اوسی سے سیکھ کر لکھیں۔ اور وہ بھی جس روش پر اوس نے ادا کی۔ ادا کر سکیں۔ پھر اوس نے جو اوس کے جواب دیئے۔ اون سے مجہرہ برآ نہوں۔ اوس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں۔ اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں۔ طولانی تقریر تحریر فرمائیں۔ جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل کے گہرے رنگ میں رنگا ہو۔ ایک ایک لفظ ایک ایک حرف پر فہذا وہم اخر کا ڈیرا پڑا ہو۔ یہ امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ مالک الازمۃ نائل العلم من الثریا ابوحنیفہ اور اون کے چہیتے بیٹے نام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت نہیں۔ تو کیا ہے۔ حاشا نہ اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا۔ وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں۔ اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل البضاعۃ اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبی للغرباء و

کا یہ لا استحقاق محض اون کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامت عالیہ کا اظہار ہے سو بس۔ الٰہی تیری بیشمار رضائیں ابوحنیفہ پر۔ اور اون سب پر جو عقائد میں اگر موافق ہوکر اعمال میں اون کے مقلد ہیں۔ یوں ہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اون کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روز قیام حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام

تنبیہ۔ اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالےٰ ہمارے ہاتھ ہے۔ مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں۔ اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں۔ اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں۔ تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے۔ کاشکے مولوی صاحب اس شبہ کا بیان ہم سے کرلیتے۔ تو بہت بادی چھٹ جاتی۔ اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا۔ کہ ردّ میں ایک مختصر سا کلام ہوتا۔ اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کیہ نہ جانا۔ مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی۔ کہ یہاں تک نوبت آئی۔ بہر حال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد۔

تسجیل جلیل چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جایئے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں۔ آپ کے فتوے کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے اون کے جواب لکھے۔ اور اون میں دو جلد پیشین کے اغلاط کی جا بجا اصلاح کی۔ جیسا کہ ناظر پر مخفی نہیں۔ اوسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھیے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے۔ اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجیے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

سوال ربا چیست؟ جواب فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضہ الیہ بلاعوض۔ در بحر الرائق مے آرد ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص وھو فضل مال بلاعوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الاخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن انتھٰی۔ دیکھیے کیسی کھلی تصریح ہے۔ کہ ہر زیادت سود نہیں بازار کھلے ہی اس لیے ہیں کہ زیادت سے نفع ہاتھ لگے۔ بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو ہم جنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں۔ کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں۔ ایک

Marfat.com

دوسری سے خاص نوعی اپ یا وزن میں زائد ہو۔ اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں۔ بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے۔ شکر ہے کہ اس کے آپ بھی مقر ہوئے۔ اور والکل باطل فرما دیا۔ مگر اس اقرار نے اوس تقریر کو والکل باطل بنا دیا۔ نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں۔ بچے بھی جانیگا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہو سکتے۔ اور بفرض باطل مجانست سہی۔ تو نوٹ تول کر نہیں بکتا۔ اور اگر تول موجود ہو۔ تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو۔ کہ سو روپے بلاشبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں۔ اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں۔ تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کر دیا۔ تو مفر یہی ہے۔ کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں۔ یا تول نہیں۔ یا دونوں نہیں۔ بہر حال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچے۔ یہاں ربا آہی نہیں سکتا۔ کہ یہ اوس کی تعریف ہی میں داخل نہیں۔ وہو المقصود۔ قولہ اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو۔ تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں۔ اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ شبہ ربا باعث حرمت ہے ؛ اقول اولاً یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے۔ خود بھی سمجھے۔ کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا شبہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے۔ مگر کہیں مفر نہیں۔ اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے بشبہ متحقق ہوگا۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہ ربا کا مناط یہ ہے۔ جہاں یہ پایا جائے بشبہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً ادھر اودھر خوب جھانک لینا تھا۔ کہ تصریحات ائمہ سے اسپر نقض تو نہیں پڑتا۔ کہ تنقیح کا تنقیہ کر دے۔ ظاہر ہے کہ نوٹ میں تحقق شبہ منصوص نہیں۔ کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے۔ اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں۔ ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں۔ اون میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا ابطال نہیں ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو۔ اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے۔ تو جب تک مناط کا بل طور پر منضبط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کر لیجئے۔ نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق۔ اوس وقت آپ زمانہ؟ قابل سماعت ہوتا۔ اور خالی دعوی تو یا در ہوا۔ ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوے یاد کیجئے۔ کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا۔ یونہی ایک سیب دو

(رد مولوی صاحب کا دوسرا پہلو)

Marfat.com

سیب کو یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی۔ اور زیادتی بداہۃً معلوم۔ یہاں شبہ ربا کیوں نہ جانا آپ کی عبارت یہ ہے:۔ سوال۔ بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت بہ گندم جائز است یا نہ۔ جواب۔ جائز است۔ چہ معیار شرعی نصف صاع است نہ کم۔ ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست است۔ در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین وما دون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ الخ

ثالثاً رسالہ کے صفحہ ۹ پر حضرات کا ارشاد دیکھیے کہ ایک پیسہ دو پیسہ کو بیچنا جائز یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی۔ پھر شبہ ربا کیوں نہ ہوا۔ **رابعاً** آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو۔ تو ان ہیں اہل عرف سے پوچھ دیکھیے جن پر آپکے خیال کا سارا مدار و دارومدار ہے۔ کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی۔ یہ پیسے اٹھنی کے ہیں۔ یہ چوانی کے۔ یہ نہیں کہتے۔ کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی ہیں۔ اسی طرح یوں کہتے ہیں۔ کہ یہ نوٹ دس کا ہے۔ یہ سو کا۔ یہ نہیں کہتے۔ کہ یہ نوٹ دس روپے ہے۔ یہ سو روپے ہے۔ خود آپ نے فرمایا ہے۔ کہ نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کر دے۔ اور فرمایا۔ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ اور فرمایا۔ نوٹ سو روپے کا دیوے۔ اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتار کر وہ مسائل یاد کیجیے جو ائمہ کرام نے فرمائے۔ کہ (۱) ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز صفحہ ۲۶ (۲) ایک پیسہ ایک روپے بلکہ ہزار روپوں کو بیچنا جائز صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ (۳) ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے۔ نہ شبہ ربا صفحہ ۱۰ ان میں شبہ ربا کیوں دکھا **خامساً** ۔ بتصریح ائمہ یہاں شبہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت۔ تو یہاں علت ہو۔ یا شبہ علت بہرحال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں۔ صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔ **قولہ** علاوہ ازیں جو بیع وشراء نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا۔ مقصود اسکو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جاویں۔ اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کریگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہو سکتا۔ **اقول** اولاً قصور معاف تو مستی از بادۂ شبانہ ہنوز تو بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے۔ نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے۔ روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد یہاں یوں

Marfat.com

کھیئے کہ کم روپوں کا مال دیکر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے۔ پھر یہیں کیا گناہ ہے۔ دُنیا بھر کی تجارتیں اسیلئے ہوتی ہیں۔ آپ خود جلد ۴ میں بحرالرائق سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ مطلقاً زیادتی بالاجماع حرام نہیں۔ تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے۔ نفع حاصل ہو۔ ثانیاً۔ آپ کی عادہ ازیں کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہ ربا دونوں سے قطع نظر کر کے یہ تیسرا پہلو لیا ہے۔ کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو۔ ربا تو ربا اوس کا شبہ بھی نہ ہو۔ مگر اوس سے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا ہے۔ اسلئے (زبردستی) حرام ہے۔ اب فرمائیے۔ اگر زید عمرو سے سؤ روپے قرض مانگے۔ عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اوس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے۔ وہ قبول کرلے۔ پھر عمرو سؤ روپے زید کو قرض دے۔ اور قرض کے بدلے سؤ کے سؤ ہی لے۔ پچیس اپنے اوس کاغذ کے جدا لازم کرے۔ تو اس میں حرمت کدھر سے آئیگی؟ اسلئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس کو بیچا۔ تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں۔ کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے۔ پچیس کو کیوں حرام ہؤا؟ یا اس لئے کہ اوس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا۔ تو وہ صُورت بتلائیے۔ کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے۔ اور نفع لینا نہ ہو۔ یا اس لئے کہ قرض پر نفع لینا ہے۔ قرض میں تو وہ پُورے سؤ کے سؤ لے رہا ہے۔ اوس پر نفع کہاں۔ یا اسلئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے۔ تو قرض تو اوسوقت تک دیا بھی نہیں۔ سبب کہاں سے متحقق ہؤا۔ یا اسلئے کہ اون کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے۔ تو اسکا ثبوت شرع سے دیجئے۔ کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونیوالا ہو۔ تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے۔ وہ بیع کہ بلاشبہ حلال تھی۔ حکم تحریم پائے۔ حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں۔ آئندہ غیب ہے۔ اور غیب مجہول۔ اور انسانی ارادہ ممکن التخلف۔ نکاح میں کہے۔ کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا۔ تو ناجائز و حرام۔ اور اگر نکاح کرے۔ اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو۔ تو بیشک حلال ثالثاً ص۱۱ پہ وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ زرنجری و امام بکر خواہر زادہ بحر الرائق و رد المحتار وغیرہا یاد کیجئے۔ کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالٰے عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق

بلا کراہت جائز وحلال ہے۔ کہئیے یہ کیوں حلال ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ لوس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔ **رابعًا** اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوے نمبری ۴۴ میں حکم تھا۔ کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے۔ اوس پر سائل نے شبہ کیا تھا۔ کہ یہاں ربا نہیں تو شبہ تو ہے۔ اور شبہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اوس کا آپ نے جواب فرمایا۔ کہ قدشہ ربا کا کہیں، فورغ ہو کہ گندہ وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے۔ اور شبہ ربا۔ اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے۔ کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے۔ تو بھی درست ہے۔ ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھا دے۔ اور مشتری راضی ہو جاوے۔ تب بھی درست ہے۔ **اقول** رہا اب بھی تب بھی فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے۔ یا بلا قید۔ برتقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ ر کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال۔ اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چہ آب از سرگذشت۔ چہ یک نیزہ چہ یک دست۔ برتقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے۔ کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے کو بلکہ انصافًا ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا۔ جب تک کوئی دباؤ نہ ہو۔ اور بیچنے والا ۲ ر کا مال دیکر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہیگا۔ پھر ربا و شبہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں۔ مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔ **خامسًا** (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے۔ جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے۔ اور رسالہ کے صفحہ سے صفحہ تک گذرے۔ یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔ **سادسًا** یہی چھ کیا ہزار حیل ہیں جنکی تصریحات جلیہ کلمات ائمہ میں مذکور۔ اگر ان کو جمع کیجئے۔ تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سردست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو۔ کہ ساری کی ساری کتاب اسی میں ہے۔ **سابعًا** آپ خود اپنی ہی نہ کہئیے سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے موطا میں روایت فرمائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرما خرما برابر کرکے بیچو۔ اس پر عرض کی گئی۔ کہ یا رسول اللہ خیبر پر حضور کے صوبہ تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بکتی ہیں۔ یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بع الجمع بالدراہم واشتر بالدراہم جنیبا۔ یہ قسم
روپیوں سے بیچکر وہ قسم روپیوں سے خرید لے۔ اسپر آپ حاشیہ لکھتے ہیں۔ علمہ صورۃ
لاتدخل فیہ الربا مع حصول المقصود۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اون کو وہ صورت سکھادی جس میں ربا نہ آنے پائے۔ اور مطلب حاصل ہوجائے جناب
من ایسی کا نام تو حیلۂ شرعیہ ہے۔ پھر اوس سے حکم حلت نہ ہوسکنا کیا معنی؟ کیا رسول اللہ صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ بات بتاتے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو۔ حرام کا حرام رہے۔
والعیاذ باللہ تعالیٰ **ثانیاً**۔ اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسعید
خدری و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث روایت فرمائی۔ جو رسالہ کے ص۱۱۷
پر گذری۔ اوس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے۔ جس
پر آپ نے خود حاشیہ لکھا۔ کہ اشار الیہ بما یجتنب بہ عن الربا مع حصول
المقصود۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اونہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا۔ جس
سے ربا بچ جائے۔ اور مطلب ہاتھ آئے۔ سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا
بہذا کلہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا۔ یہ سب
باتیں ہماری مختار ہیں۔ اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے سب فقہا رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کا ہے۔ رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا۔ کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال
کیا۔ اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔ **اقول اولاً**۔ یہاں کی کیا تخصیص ہے۔
سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔ باینمعنے کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائیگا ممنوع
ہوگا۔ حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے۔ تو وہ بھی حرام ہو ؎

کلید در دوزخ است آں نماز — کہ در چشم مردم گذاری دراز

ثانیاً۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تعلیم فرماتے ہیں جس کا خود آپ نے
اقرار کیا۔ تمام ائمہ مذہب اوس پر عمل فرماتے ہیں۔ جس کا امام محمد نے اظہار کیا۔
اب یہ آپ کی الحق اگر اوس کے موافق ہے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ اور اگر
رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف
کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر عبارت ہے۔ تو وہ آپ ہی
کو مبارک رہے۔ اہل حق کے نزدیک بجوے نیرزد۔ **ثالثاً**۔ آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ

Marfat.com

کیا نیت ہو۔ تو حیلہ جائز سادہ کیا ہو۔ تو ناجائز۔ اگر یہ مقصود کہ بیع میں مبادلہ دراہم صرف بجے نام ہو۔ نہ یہ قسم خرا دراہم سے بیچنی مقصود ہو۔ نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی۔ بلکہ منظور او نہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع المجنہ کے طور پر محض اسم فرضی۔ تو یہ ضرور صحیح ہے مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا۔ حضرت وہ تو حیلہ شرعیہ کو جائز فرماتے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی۔ یہ ناپاک حرکت حیلہ شرعیہ ہی کب ہوئی۔ بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا۔ پھر آپ نے مذہب جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی واکھی کی الگ چناٹی کاہے پر مچی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپوں سے بیچکر وہ قسم روپوں سے خریدنی مقصود ہو۔ مگر اس فعل پر باعث یہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہوکر وہ قسم داخل ہوجائے۔ اسے ناجائز کہتے ہو۔ تو قصور معاف۔ یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کو اصلاح دینی ہے۔ ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے۔ ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا۔ خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صلا پر گذرا۔ کہ جب تو مول لینا چاہے۔ تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنیئے۔ اپنی ہی دونوں جگہ لفظ دیکھیئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا بچ جائے۔ اور مقصود حاصل ہوجائے کہیئے۔ تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم و امام محمد و ائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اوسکے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے۔ اوس کا ایک ایک حرف ہذیان یا مجنونانہ بڑ ہے۔ آپ خود اوس کے بعد اتنا لکھ گئے۔ کہ یہاں طویل بحثیں ہیں۔ کہ بسوط کتابوں میں ملیں گی جس سے آپ کو اس کہنے کی گنجائش رہی۔ کہ میں نے اوس نقل کو مقبول نہ رکھا۔ لہٰذا ہم بھی اوس کے رد سے تطویل نہ کریں۔ کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔ تاسعؔ⁹⁰ا۔ جانے دیجیئے۔ آپ گول ہی رہیں۔ اور نیت کا پردہ نہ کھولیں۔ اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا۔ کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے۔ جناب من پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا۔ کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم ملت نہیں ہوسکتا۔ **قولہ**۔ تہذیب الایمان میں ہے **اقول⁹¹**۔ مولوی صاحب

Marfat.com

عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اوتنے اعلے پایئے پر ہو۔ کہ ائمۂ مجتہدین کی جانچ پڑتال
کرے۔ اون کا حق و باطل نکالے۔ وہ اور مسائلِ شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا
گرے۔ کہ مجاہیل و بیقدر و بیوقعت زید عمرو سب سے استناد کرے۔ کہیں آپ مجالس
الابرار سے سند لاتے ہیں۔ کہیں رسالہ اسلمی سے۔ کہیں اور لوتر کر اربعین میاں اسحٰق
دہلوی سے۔ کہیں اور گھٹ کر اونکے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے۔ کہیں سب سے
بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے۔ اونہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی
جسپر بعض اصحاب نے کہا۔ کہ آجتک تہذیب المنطق۔ تہذیب الکلام۔ تہذیب
الاخلاق۔ تہذیب الآثار۔ تہذیب التوضیح سُنی تھی۔ معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں
کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اوسکی تہذیب لکھی۔ آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں
کی تقلید تک اوتر آتے ہیں۔ تو مسئلۂ نوٹ میں حضرت مولینا مولوی محمد ارشاد حسین
صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا فتویٰ آپ کے سامنے تھا۔ اور وہ آپ کے
ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلے و اعلم و افضل و اکمل تھے۔ کاش اس میں اون
کی تقلید فرما لیتے۔ تو جھگڑا چکتا۔ **قولہ** انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما
شرعھا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کائد الشرعہ **اقول**[۹۴] یہ تو بالکل ہمارے
موافق ہے۔ وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اوسکا مقصود شرعی
مراد نہ ہو۔ یہ وہی صورت ہوئی۔ کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور
اسم فرضی لے۔ اس کی حرمت میں کیا کلام ہے۔ اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلۂ ملک
کا قصد کیا۔ تو یہی وہ مقصود شرعی ہے۔ جس کے لئے شرع نے اوسے مشروع فرمایا
تو خود آپ کی اسی سند کی رُو سے اوس کی حُرمت ناممکن۔ پھر[۹۵] نوٹ میں تو اوس کو
کچھ دخل ہی نہیں۔ نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے
نوٹ خارج ہوکر مشتری کی ملک میں آئے۔ اور مُشتری کی ملک سے روپے خارج ہوکر بائع
کی ملک میں آئیں۔ شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے۔ تو اسی عبارت کے حکم سے
اوسکی حُلت واجب۔ اگر کہیے مراد یہ ہے کہ اوس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے
چاہے۔ مگر روپے دیکر زیادہ روپے لیتا۔ تو سُود ہوتا۔ اس لئے نوٹ بیچکر روپے لئے کہ جنس
جانے سے ربا جاتا ہے۔ **اقول** تو کیا گناہ کیا۔ اوس نے گُناہ سے بچنا ہی تو چاہا

گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو۔ تو مفر کدھر۔ شرع نے بیع اسلیئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے بچکر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو۔ وہی اوس نے چاہا۔ تو مقصد شرعی کی پابندی کی۔ نہ کہ مخالفت۔ پھر حرمت کدھر سے آئی۔ **قولہ** فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ انتہی **اقول**[97] **اولا** حرام سے مراد لازم الحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جُدا نہ ہو۔ یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ بر تقدیر اول اوسی لازم الحرمۃ کو اختیار کریگا۔ یا اوس سے کسی امر جائز کی طرف عدول وفرار۔ پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہوا۔ صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا۔ پھر اوس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی۔ اور دوسری صورت میں شاید حرمت اسوجہ سے ہوگی۔ کہ حرام سے کیوں بچا۔ جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک ہوجائے۔ اور نرے حلال محض رہ جائے۔ یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے۔ صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں۔ اور اولے پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ **ثالثا**[98] دور کیوں جایئے خود اپنی سُنیئے۔ شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بنجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اوسکا بیچنا حرام چھونا حرام۔ اوس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا۔ اب مسلمان ہوگیا۔ وہ نہیں چاہتا۔ کہ اتنا مال کثیر ضائع جائے۔ اوس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کرلیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ جائز و روا ہے۔ اپنے رسالہ نفع المفتی میں دیکھیئے۔ الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بہا فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستہلاک جائز کاراقۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذلک نجوز اھ باختصار دیکھیئے اوس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا۔ مگر یوں کہ حرام نہ رہا۔ پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ۔ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو۔ لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا۔ **اقول**[99] عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے۔ اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہو۔ کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اوسپر لازم نہیں۔ وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے۔ تو عنداللہ کسی طرح درست نہ ہو۔ اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے۔ اور اُسے بعینہٖ چاندی سمجھے۔ وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے۔ اور سود نہو۔ حلال

(ف) مولوی صاحب [illegible]

Marfat.com

طیّب رہے۔ اس زبردستی کی کوئی حد ہے۔ خیر یہ تو پہلے معروض ہو چکا۔ مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہۂ ربا سے قطعی گذر گئے۔ علاوہ ازیں کہکر تو اون کے لحاظ ہی سے گزر رہے تھے۔ اب یہ صورت لیتے ہیں۔ کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہۂ ربا ہو۔ ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا۔ اور اس نے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا۔ ورنہ ربا یا شبہۂ ربا ہوکر دیانۃً قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا۔ تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّٰی و لفظ بےمعنی ہوگا۔ کہ اوسکا حکم و اثر شرعی منتفی ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو حقیقۃً و شرعاً غیریت محضہ رہی۔ اب خود ہی حاصل اوسی قدر ٹھیرا دیا۔ کہ کم روپوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا۔ کہیئے۔ اس میں کونسا خلاف دیانت ہے۔ **قولہ** اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شرا اقل مما باع وغیر ذلک کی ممانعت مذکور ہے۔ **اقول**[19] **اولاً**۔ الحمد للہ! اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں۔ جی ہاں۔ یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھیرایا ہے۔ کیا ممنوع ناجائز حرام مکروہ تحریمی حاشا ہرگز نہیں۔ یہ محض غلط و باطل ہے۔ بلکہ جائز حلال روا درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا۔ کہ خلاف اولیٰ بھی ہے۔ یا نہیں۔ ہمارے امام اعظم بلا کراہت مباح مانتے ہیں۔ امام ابو یوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں۔ امام محمد احتیاط کے لئے صرف خلاف اولیٰ ٹھیراتے ہیں۔ یہ تمام مباحث رسالہ میں ص۲۱ و ص۲۲ و ص۲۳ تا ص۲۸ و ص۹۱ و ص۹۴ بلکہ ص۹۳ تا ص۱۰۰ میں گزرے۔ اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اوٹھیئے۔ کہ سَو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اجر و ثواب۔ امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولیٰ **ثانیاً**۔ وہ خلاف اولیٰ بھی اسلیے تھا۔ کہ اوسوقت تک مسلمان سود کو سؤر سمجھتے تھے۔ اوس کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ تو اس امر جائز کی عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا۔ کہ مبادا آگے بڑھ جائیں۔ جیسا کہ اس کا بیان ص۲۷ و ص۲۸ وغیرہا پر گزرا۔ اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ جیتا نگلتے ہیں۔ اور شرمانا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے۔ تو اونہیں ایک جائز بات بتانا جس سے اون کا مقصود حاصل ہو۔ اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیرخواہی مسلمین ہے

Marfat.com

اور اسمیں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی عزت کی بدخواہی۔ ذرا انصاف درکار ہے کہ
خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ثالثاً شراء بائع باقل ثمنا
بلا عند التحقیق ربح مالم یضمن کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اوس پر نفع لینا
کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا
نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے۔ ہلاک ہو جائے۔ تو اوسکی جائے مشتری پر اوسکا اثر نہ ہو۔ و
لہٰذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی الدر وغیرہ۔ حالانکہ باب ربا میں دو جنس
ہیں۔ کما فی جمیع الکتب۔ ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو۔ تو شبہہ ربا بھی ہے
بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی۔ یوں کہ اس نے ہزار کو چیز بیچی۔ اور ابھی قیمت وصول
نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے۔ اب کہ خود اس نے پانسو کو خرید لی۔
احتمال سقوط ساقط ہو گیا۔ تو اُس نے پانسو دیکر اپنے وہ ہزار پکے کرلیے۔ یوں شبہہ ربا
آیا۔ بہرحال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ۔ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔
ہدایہ میں ہے من اشتری جاریۃ بالف درھم حالۃ او نسیئۃ فقبضھا ثم باعھا
من البائع بخمسمائۃ قبل ان ینقد الثمن الاول لا یجوز البیع الثانی لان الثمن
لم یدخل فی ضمانہ فاذا وصل الیہ المبیع و وقعت المقاصۃ بقی لہ فضل
خمسمائۃ وذلک بلا عوض فتح القدیر میں ہے۔ الذی عقل من معنی النھی انہ
استربح ما لیس فی ضمانہ ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
عن ربح ما لم یضمن وھذا لان الثمن لا یدخل فی ضمانہ قبل القبض۔
اوسی میں ہے۔ وھذا احسن من تقریر قاضی خان اعتبار الشبھۃ بان الالف
وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا
فیردھا فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون
البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتھی رابعاً وجہ
معقل سے گذر کر دوسری ہی وجہ لیجیے۔ اور یہاں اوس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر
کیجیے جب بھی آپ کو مفید نہیں۔ کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہہ ربا ہے۔ اور آپ
ربا و شبہہ ربا سے اُتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں۔ تو جہاں شبہہ ربا ہے
اوس سے اسپر استناد کیونکر کر سکتے ہیں۔ خامساً آپ اسی وجہ سے کہکر دونوں مسئلوں

Marfat.com

میں علت حکم ایک بتا رہے ہیں۔ تو واجب تھا۔ کہ حکم بھی ایک ہوتا۔ کیا شراء ما باع
باقل مما باع بھی صرف دیانۃً حرام ہے۔ قضاءً جائز۔ فانھم سٰاوؤ۔ ثانیاً آپ نے سنا ہو
کہ یہ شراء بہ اقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہ جائز ہے۔ مثلاً ایک چیز زید
نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی۔ عمرو نے روپے ادا کر دیئے۔ پھر زید نے وہی چیز
عمرو سے پانسو کو خرید لی۔ کہ چیز کی چیز پاس آگئی۔ اور پانسو مفت بچ رہے۔ یہ جائز و حلال
ہے۔ درمختار میں ہے۔ فسد شراء ما باع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد اھ
ملتقطاً۔ آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہو گیا۔ کم روپے دیکر زیادہ حاصل
کرنا مقصود بہر حال موجود۔ مولوی صاحب اشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی
سے بیخبر ہیں۔ ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔ **قولہ** اور احادیث اس باب میں
بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ **اقول اولاً** احادیث اس
باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ دو بلکہ تین حدیثیں
رسالہ کے صـ۱۱۱ـ میں گذریں۔ اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی۔ **ثانیاً** خود آیہ
کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صـ۱۱۶ـ پر تلاوت ہوئی۔ فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:۔
الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالٰی وخذ بیدک ضغثاً
فاضرب بہ ولا تحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علی نبینا وعلیہ
الصلوۃ والسلام عن یمینہ التی حلف لیضربن امرأتہ مائۃ عود وعامۃ
المشائخ علی انہ کما لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب۔ اس طرح کے حیلے
جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لیکر مار دو۔ اور
قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ
کی نسبت قسم کھائی تھی۔ کہ سو لکڑیاں مارینگے۔ یہ اللہ عزوجل نے اوس قسم سے عہدہ برآئی
کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ (کہ قسم بھی پوری ہو جائے۔ اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور عام مشائخ کرام
فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں۔ اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔ **قولہ**
اگر یہ شبہ ہو۔ کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے۔ پس حکم اوس کا بعینہٖ کیونکر ہو سکتا ہے
تو جواب اوس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے
اوس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ لاجرم باب تفاضل میں اوسی کا اعتبار ہوگا۔ لاسیما دیانۃً

Marfat.com

فانہا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ **اقول اوّلاً** - یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں
میں گذر چکیں - اگر پہلا بیان صحیح تھا - تو یہ شبہ وہیں دفع ہو چکا - پھر اگر یہ شبہ ہو کا محل کیا - اور
غلط تھا - تو اب بھی تو وہی جواب دیا ہے - اب کیوں صحیح ہو گیا - بات وہی ہے - کہ لے دیکر ایک
شبہ آپ کے ہاتھ میں ہے - بار بار بتکرار اوسکا اعادہ فرماتے ہیں - کہ بعض نہ سہی - عبارت تو وزنی
ہو جائے - ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے - جس کا صاف ابطال اوپر گذرا - اور
کشف شبہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا - اور یہ بھی سمجھا دیا گیا - کہ بہت اچھا باب تفاضل میں
اوسی کا اعتبار کیجئے - تو تفاضل فی القدر حرام مانیے - اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی
جانیے - مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہی نہیں - **ثانیاً** - ہاں ایک لا سیما
یہاں اور بڑھائی ہے - یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں - اور دیانت میں نظر
مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں - نہ صورت پر - تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائیگا
مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں - اسپر نظر ہوگی - اور حرمت لازم - **اقول** بجا ہے - پھر ایک اشرفی
کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا - وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں - اور
مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا - **ثالثاً** - حاصل کردوں
آپ مقاصد شرعیہ واغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے - مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت وفساد
وحلت وحرمت کا مدار ہے - اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ ان کے نزدیک اونہیں حاصل
ہوں - مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں - اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد
رہتے ہیں - مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ
کرکے اپنا قبضہ اوٹھالے - کہ سارا مکان قبض وتصرف شریک میں رہے - یا اوس کے
ہاتھ بیچکر ثمن اوس کو معاف کر دے - دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے - انسانی غرض اون میں
فرق نہیں کرتی - مگر مقصد شرعی کا اتنا اختلاف شدید ہے - کہ پہلی صورت فاسد وحرام - اور
دوسری صحیح وحلال - یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے - اب دس روپوں کو
خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے اوسکی غرض دونوں
طرح بلا تفاوت حاصل ہے - مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں - کہ صورت اولے
سود ربا گناہ کبیرہ حرام قطعی موجب دخول نار - اور دوسری شکل درست صحیح حلال روا
بے اعتراض بلا انکار - نوٹ سے مگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلا تفاوت متعلق ہوں

Marfat.com

تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے۔ احسان تو نہایت تھا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر پیرا قلم جناب کے قلب پر القا ہوتا ہے۔ انصاف کیجئے۔ تو ایک ہی نکتہ آپ کی ساری عزیزی کا علاج کافی و وافی ہے۔ وللہ الحمد۔ رابعًا۔ ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی۔ آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں۔ اسی جلد دوم کے فتوے نمبری ۹۷ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے:۔ خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے۔ تو پوری قیمت معینہ دے۔ اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے۔ تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اوس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقۃ بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے۔ تو مثلاً سو روپے قیمت دے۔ اور بعد ایک یا دو ماہ یا تین ماہ کے ادا کرے۔ تو قیمت ایک سو تین یا چھ یا نو دے۔ پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے۔ اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعًا کوئی قباحت نہیں۔ اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے۔ تو بائع کو اختیار ہے۔ چاہے لے۔ چاہے علی المیعاد لے۔ اسواسطے کہ رجوع اوس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا۔ اور ان دونوں میں شرعًا کوئی قباحت نہیں۔ صح الجواب واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی عنہ۔ فرمائیے تو یہ تین روپیہ سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سُود کے کیا ہے۔ خصوصًا وُہ بھی کُفّار کی طرف سے جو بغیر سُود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے۔ اور سُود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں۔ دونوں پر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا۔ اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ دیا۔ پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے۔ والاجل یقابلہ قسط من الثمن۔ مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طرح پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی۔ اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر۔ یہ حرام و فاسد ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ لا بد ان تکون الاجل معلومًا لان جھالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذلک انعقد الاجماع وانما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلجھالۃ الثمن۔ پھر اس سے بھی قطع نظر ہو۔ تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے

Marfat.com

اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو۔ اور صرف دوہی شقیں مفسد ہیں۔ یہاں تو تین ہیں۔ کہ ایک مہینہ میں دے۔ تو یہ قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوئے خلاصہ و فتاوئے عالمگیریہ میں ہے۔ رجل باع علی انه بالنقد بكذا و بالنسيئة بكذا او الى شهرا بكذا و الى شهرين بكذا لم يجز عجب کہ آپ نے اس حرام در حرام طرح طرح کے حرام کو کیسے حلال کر دیا۔ پھر بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے۔ کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھیرا تھا۔ اوس نے کم کیا کیا۔ پھر اگر مُشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گذر کر سُود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے۔ میعاد تو خاص حق مشتری ہے۔ کُتب اکثر میں تصریح ہے۔ کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے۔ تو دائن کو جبرًا قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے۔ الدين المؤجل اذا قضاه قبل حلول الاجل يجبر الطالب على تسلمه لان الاجل حق المديون فله ان يسقطه هكذا ذكر الزيلعي فى الكفالة وهي ايضًا فى الخانية والنهاية۔ خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے۔ اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کیجئے۔ ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے۔ گر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پر کھنے کا ادعا رکھتے۔ اوس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے۔ ولاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔ اِس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے۔ کہ مولوی عالم علی صاحب مُرادآبادی نے براہِ خطار صریح دودھ کے چچا کو بھتیجی حلال لکھ دی۔ خیر وہ تو لکھ گئے۔ اب فتوئے پہنچا دہلی۔ امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھکر اوس پر مُہر چپکا دی۔ اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوا دیں۔ فتویٰ یہاں آیا۔ فقیر نے تحریم کا حکم دیا۔ اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پُرسی کی۔ اب غیر مقلدوں کے کُل فی الکل کی آنکھیں کُھلیں۔ سوتے سے جاگے محدث جی کو بخاری مُسلم کی حدیثیں موجانے سے سُوجھیں۔ اور دوسرا فتوئے حرمت پر لکھا۔ اور پہلے فتوے کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا۔ کہ قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در ملت آں نوشتہ بودند۔ بر اعتمادِ ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ شد۔ حلال وحرام خصوصًا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر تحف

Marfat.com

جرأت وبیباکی کا کھلا اقرار ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار۔ خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم ہی ہے۔ مگر براعتمادِ ایشاں نے اون کے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی۔ اے سبحٰن اللہ، مجتہدی کا دعوٰی۔ اور ایک ادنٰے سے ادنٰے مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا۔ اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھئے۔ کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے۔ گویا اونہوں نے خود اوسپر مُہر نہ کی۔ کوئی اور کر گیا۔ اللہ تعالٰے یُوں اپنی نشانیاں دکھاتا۔ اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے۔ نسأل اللّٰہ العفوَ والعافیۃ قولہ باقی رہا قول فتح القدیر کا لو باع کاغذۃ بالف یجوز انتہٰی اقول^(۱۱۵) انتہٰی نہیں۔ اس کے بعد ولا یکرہ بھی ہے اور خود میرا فتوٰی آپ کے پیش نظر ہے۔ اوس میں بھی منقول یعنی کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں۔ اسے پردہ انتہٰی میں نہ چھپایئے یہ بہت کام کی چیز ہے۔ آپ کو یہ لایکرہ کردہ لگتا تھا۔ تو محقق کی شان یہ تھی۔ کہ اوسے نقل کر کے رد فرماتے۔ آخر امام ابن الہمام اور اون کے ساتھ کے علمائے کرام جنہوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی۔ امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے۔ یہ نہ ہو سکتا تھا۔ اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا۔ تو الٰی آخرہ لکھدیا ہوتا۔ یہ بھی نہ سہی یجوز تک نقل کر کے یُونہی چھوڑ دیا ہوتا۔ کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا۔ انتہٰی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی۔ یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔ قولہ پس مراد اوسکی یہ کاغذ نہیں کہ جس میں خلق سمجھا گیا۔ کیونکہ اسکا وجود اون زمانوں میں نہ تھا۔ بلکہ سادہ کاغذ۔ اقول^(۱۱۶) اولاً عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی سادس کی آڑ تو چھوڑیئے۔ اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور اوس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے۔ سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے۔ مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ وہندسہ لکھدیا۔ وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے۔ بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا۔ کہ چھپتے ہی نو سو پچانوے اڑ گئے۔ ثانیاً عینیت کے جواہر رد رد ہوئے۔ اونہیں جانے دیجئے۔ تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اوس سے بکسر گذر چکے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنا دیجئے۔ جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ نا جائز ہے۔ ذرا بتایئے تو۔ ثالثاً۔ صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ

اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے۔ یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے۔ اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو۔ تو صرف اس بنا پر اوسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے۔ ہزاروں حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور تا قیامت ہوتے رہینگے۔ اون کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اوس زمانہ کب تھیں۔ لہٰذا یہ اونکی مراد و زیر حکم نہیں رابعًا۔ سنیئے۔ تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا۔ بلکہ خود سو روپیہ بیچنا مقصود بتایا تھا۔ اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں۔ یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا۔ یہاں کونسے روپے ملائیے گا جن کا بیچنا مقصود بتایئے گا۔ ایک محقق عالم کو بلکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو ہے۔ نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نفی ما قدمت یداہ خامسًا جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا۔ کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولا یکرہ بلا کراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں۔ اب بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی۔ یہ تو پانچ ہی سطر میں نفی ما قدمت یداہ ہو گیا۔ کیا اسی دن کیلئے جناب نے لا یکرہ چھوڑ انتہی لکھدی تھی۔ اب تو کہدیجئے۔ کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں۔ آپ کی اسی انتہی پر اکتفا کروں۔ کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالےٰ ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا۔ و للہ الحمد۔ قولہ ھذا ما سنح لی اقول ای من دون دلیل و ما یلی لا خفی ولا جلی قولہ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب اقول ھو المصوب سے یہاں تک فتوے بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے۔ اور اوسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ اور اوسی ام الکتاب یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے۔ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ اللھم ربنا ارض عنا بکرمک ومنک و رافۃ حبیبک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم و وفقنا لتجارۃ لن تبور یا عزیز یا غفور امین والحمد للہ رب العلمین۔ وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ امین۔ سبحنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک سبحن ربک رب العزۃ عما یصفون۔ وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔ الحمد للہ کلام اپنے منتہے کو پہنچا۔ اور تحقیق مسئلہ ذروۂ علے

Marfat.com

کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا - اور مسئلہ بالکل حادث تازہ - اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہٰذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا :- ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گذرا - فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا - کہ اون کے کلام میں اسکا جزئیہ بالتصریح پایا جائے - مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے - اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - اور انتہا ان لفظوں پر کہ ھٰذا ما ظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم - پھر بفضل رب قدیر عز جلالہ برابر اوس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے :-

مؤید اوّل محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولٰنا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام - اور اون کے استاذ مولٰنا حامد احمد محمد جداوی دامًا بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا - جس کے جواب میں بفضل وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھدیا - پہلا فتوےٰ ایک خفیف ساعت کی نظر تھا - یہ رسالہ بفضلہ تعالٰے پہر دن کا خوض کامل - جہاں تک غور کیا - وہی رنگ کھلتا گیا - اور کوئی شک ستر راہ نہ ہوا - یہ نظر اولین کا پہلا مؤید تھا - **مؤید دوم** اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپکر زیر نظر آچکا تھا - رسالہ میں اوسپر بھی خوض تام کیا - اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا - یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا - کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھکر تنقیح کامل کی - اور اوسکی بے اثری ظاہر ہوئی - **مؤید سوم** مکہ معظمہ کے اجلۂ علمائے کرام ومفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا - پڑھوا کر سنا - اسکی نقلیں لیں - اور بحمد اللہ تعالٰے سب نے یکزبان مدحیں کیں - جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلما مولٰنا احمد ابوالخیر مرداد حنفی - حضرت عالم العلماء مفتی سابق وقاضی حال علامہ مولٰنا شیخ صالح کمال حنفی - حضرت مولٰنا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی حضرت مولٰنا مفتی حنفیہ عبداللہ صدیق حفظہم اللہ تعالٰے - ان ۴ فاضل جلیل نے کہ اوس وقت بھی جانب سلطانی سے انتسابِ مذہب حنفی کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے - کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا - فقیر بھی حاضر تھا - مگر اون سے کوئی تعارف نہ تھا - نہ اس سے پہلے میں نے اون کو - نہ اونہوں نے مجھ کو دیکھا حضرت مولٰنا سید اسمٰعیل آفندی اور اون کے بھائی سید مصطفٰے آفندی وغیرہما بھی

Marfat.com

تشریف فرما تھے۔ حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا این کان الشیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر من ھذا البیان او لفظا ھذا امعنا ہ۔ حضرت مفتی اعظم مکہ معظمہ مولٰنا جمال بن عبد اللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں۔ اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتی حنفیہ تھے۔ اوس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفسار ہوا تھا۔ حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے۔ اوس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرما دیا کہ العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالٰی اعلم۔ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے۔ حضرت مولٰنا سید اسمٰعیل افندی نے تقریب فرمائی۔ کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے۔ حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم واکرام سے ملے۔ اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی مذکور کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ **مؤید چہارم**۔ اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا۔ مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰے نظر پڑا۔ اوس کی طرف توجہ کی۔ اور ساتھ ہی چاہا۔ کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہو جائے۔ خیال تھا۔ کہ مباحث تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں۔ نہایت درجہ چھ ورق بس ہو نگے۔ مگر فیض قدیر سے افاضۂ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی۔ اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جز کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگا نہ رکھا۔ یہ بحمد اللہ تعالٰی اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں۔ اور اوسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذی علم حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنیوالوں کی انتہائی کوششیں سُن لی جائیں اور باطل وبے اثر ثابت ہوں۔ یہ پہلی صورت سے بھی اقوٰے ہے۔ کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرقریزی کرکے ناکام رہیں واضح ہو جاتا ہے۔ کہ بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے۔ اور خلاف کی طرف راہ مسدود۔ بفضلہ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا۔ بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے۔ آسمان فیض مصطفٰے صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے۔ وللہ الحمد با ایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے

Marfat.com

نہ ائمۂ مجتہدین کے ادنےٰ غلاموں کا پاسنگ اونکی خاکِ نعل کے برابر بھی مُنہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرعِ الٰہی میں اپنی عقلِ قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اوس فتوے اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے۔ تو محض میرے مولےٰ پھر اوس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کا کرم ہے اور اوسی کی وجہ کرم کے لئے حمد ہے۔ اور اوس کے فضل سے امید ہے کہ انشاء اللہ الکریم ضرور حق ہے۔ اوس کے گھر کی برکات دلکشا اس کے حبیب صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں۔ ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کردینا۔ پھر اوس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ اوسے پسند فرمایا۔ یہ بفضلہٖ عزوجل سب آثارِ قبول ہیں۔ اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی۔ نہ اُن علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی۔ تو میں اپنے ربِّ عزّ وجل کی طرف انابت کرتا۔ اور ہر مسئلہ میں اوسپر اعتقاد رکھتا ہوں جو اوس کے نزدیک حق ہے۔ اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام کے امام اعظم حضور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم عنہ نے فرمایا فان یك صوابا فمن اللہ تعالیٰ وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان واللّٰہُ ورسولہ بریئان واقول کما قال ابونا آدم علی نبینا الکریم وعلیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم۔ اللّٰھم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وابنہٖ وحزبہٖ وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ سبحٰنك اللّٰھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك قالہ الفقیر احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالٰی لہ وحقق املہ واصلح عملہ والحمد للہ والصّلوٰۃ والسّلام علٰی مُصطفاہ اٰخر

کل کلامی واولہ امین ۰

اعلان حضور اعلیحضرت احمد رضا خانصاحبؒ کی تمام تصنیفات و دیگر قسم کی علمی ادبی تاریخی و مذہبی مطبوعات

ملنے کا پتہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

Marfat.com

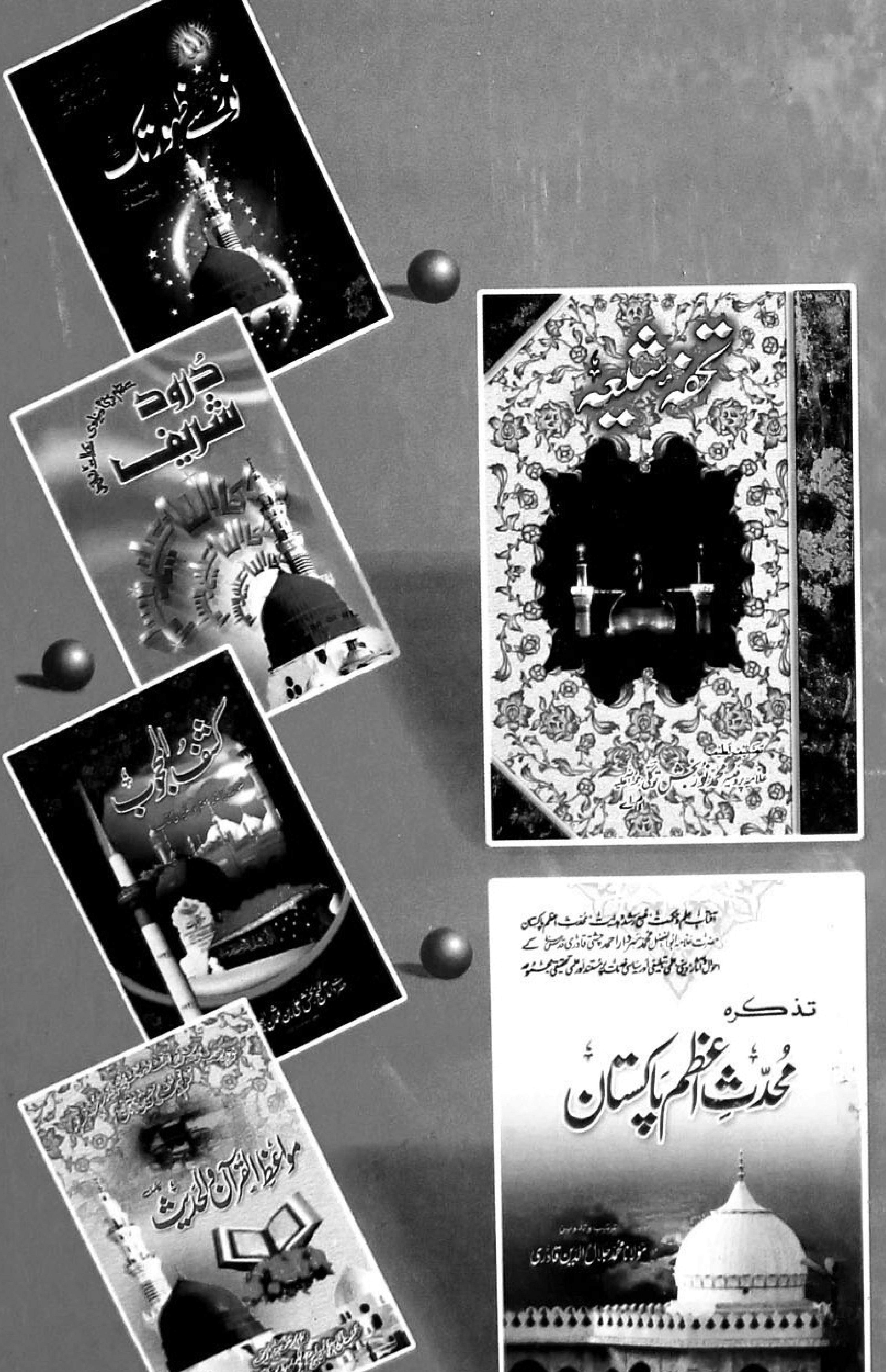

نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
Voice:042-6366385

ملنے کے پتے

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ۔ لاہور
Voice:042-7112917

Marfat.com